اِفتاء اور اُصولِ اِفتاء

مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب
مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اَمّا بعد: یہ مقالہ بعنوان افتاء اور اصول، افتاء مع امثلہ وشواھد۔ پیش خدمت ہے۔

بیان کردہ اصول اور ان کی باہمی ترتیب علمی اور عملی تقسیم، عناوین اور ان کے تحت دی گئی آیات واحادیث، امثلہ وشواہد، عجیب وغریب فتاویٰ اور کچھ اپنے تجربات موقع اور محل کی مناسبت سے ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ اپنی فہم نارسا کا نتیجہ ہے۔

اس مقالے کے دو ۲ حصے ہیں:

۱۔ افتاء اور اسکی ذمہ داری ۲۔ افتاء کے اجزاء و ارکان۔

افتاء کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور مفہوم جسے اہل لغت کی مسلم شخصیات کی عبارات میں سمجھایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں افتاء اور استفتاء کے الفاظ آئے ہیں ان کا استقصاء کیا گیا ہے۔ قرآنی محاورے اور اشارات کے ضمن میں افتاء سے متعلق جو مفہوم ہوتا ہے اسے واضح کیا گیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ افتاء کے بنیادی ارکان چار ہیں:

۱۔ ضروری اور واجبی علم کا حاصل ہونا ۲۔ کسی اہم اور سوال طلب مشکل مسئلہ کا حل۔
۳۔ زندگی کے اہم مقاصد اور مطالب اس سے وابستہ ہوں
۴۔ تردّد سے خالی۔ حتمی، یقینی اور قطعی حکم۔

مزید چند ایک احادیث بھی پیش کی ہیں تاکہ ان کے ذریعے افتاء کا مزید تعارف

کرایا جاسکے۔

اِس مقالے کے دوسرے حصّہ میں :

۱۔ اسلام میں فتویٰ کی اہمیّت اور ہمارے اسلاف کا طرزِ عمل۔

۲۔ فتویٰ کے باب میں بے اعتنائی اور ادائے امانت میں غفلت۔

۳۔ دنیا پرست قاری، محدّث اور فقیہ کے معائب پر ایک نظر۔

اِس کے بعد اصل موضوع کا آغاز ہوتا ہے۔ افتاء کے اصولوں کی ابتدائی تقسیم علم اور عمل کی طرف راجع ہوتی ہے۔

آٹھ علمی اصول اور تین عملی اصول زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ یہ کُل گیارہ اصول ہوئے۔ قاری اگر اِن گیارہ اصولوں کا بغور مطالعہ کریگا تو ان کے ضمن میں بہت سے اصول وفروع کو سمجھ سکیگا گویا یہ اصل الاصول، سب اصولوں پر حاوی اور مشتمل ہیں۔

افتاء کے علمی اوصاف :

اصل اول۔ علم مصادر و مراجع۔ ائمہ فقہاء کرام کا کلام

۱۔ فقہ افضل علوم اور فقہاء خیر الخلائق ہیں۔

۲۔ محدّث کے لیے تشاغل بالفقہ ضروری ہے۔

۳۔ کتنا بڑا سانحہ ہے کہ محدّث سے کسی حادثہ کے بارے میں دریافت کیا جائے اور اسے علم نہ ہو۔

۴۔ فقیہ کے لیے علم حدیث بالخصوص اور ہر علم کا اہم حصّہ بالعموم حاصل کرنا ضروری ہے

۵۔ کتنی قبیح بات ہے کہ محدّث مسئلہ نہ بتا سکے اور فقیہ کو حدیث کے معنیٰ اور اسکی صحّت کا علم نہ ہو۔

اصلِ دوم

تفقُّہ اور اجتہاد

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مشہور و معروف فتویٰ

ذیلی بحثیں :

۱۔ افتاء کے لیے اجتہاد کی شرط۔

۲۔ علّامہ ابن دقیق العیدؒ کا تنقیدی جائزہ۔
۳۔ تجزیۂ اقوال اور ترجیح۔
اصل سوم: فتویٰ اوفق بالکتاب والسنۃ اور اجماع ہو۔
اصل چہارم: اُدلّہ اُربعہ میں ترتیب استدلال۔
ابحاث:
۱۔ مقلدین پر امام کے قول کا اتباع۔
۲۔ امام صاحبؒ سے معارضہ کی بعض صورتوں میں صاحبینؒ کے قول کی ترجیح۔
۳۔ تنبیہ
اصل پنجم: افتاء میں تساہل اور تسامح نہ ہو۔
ابحاث:
۱۔ المیہ ۲۔ مسئلہ تنسیخ نکاح ۳۔ موجودہ عدالتیں ۴۔ طلاق ثلاثہ
۵۔ سبق آموز فتویٰ۔
اصل ششم: تشدد اور سختی نہ ہو۔ ۱۔ واقعات وفتاوی۔
اصل ھفتم: نرمی واعتدال
۱۔ امثلہ وشواہد ۲۔ تکفیر میں احتیاط ۳۔ مرتب کے فتاوی۔
۴۔ اخلاقِ حسنہ ۵۔ علامہ شامی کا جامع کلام جو اصولِ ثلاثہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔
۶۔ دو ایسے فتاوی جو جمیع صفات اور شرائط کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔
اصل ھشتم: افتاء میں زمانہ کی عرف وعادت کا عمل۔
فروع ۱۔ واقفیت تامہ ۲۔ مفتی کو اصل واقعہ کا علم ہو اور مستفتی نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو ۳۔ افتاء کے لیے ضروری ہے کہ مفتی کو اصل واقعہ متحقق الوقوع ہونیکا ظن غالب ہو۔ ۴۔ عرف وعادت کی بناء پر امام کے قول کے خلاف اور اسکی چند شرائط۔ ۵۔ فتویٰ میں عامۃ الناس کی فہم وفراست مدّنظر رہے۔
۶۔ ثمرات وفتاوی۔

افتاء کے عملی اوصاف:

۱ اصل نہم۔ خشیتِ خداوندی، تقوٰی اور عدل و انصاف۔ فروع ۱۔ عالم ربانی کے اوصاف کے حامل ہو ۲، نیابت پیغمبر کا عملاً صحیح حق رکھتا ہو ۳، خدا پرست ہو غلطی پر جب مطلع ہو تو رجوع کرنے میں عار محسوس نہ کرے۔

عملی وصف نمبر۲ اصل دھم: آزادئ دل و دماغ فروع ۱، اہم نوٹ
۲، امام ابوحنیفہؒ عالی ہمت اور بلند نظر انسان تھے۔

عملی وصف نمبر۳ اصل یازدھم: ممارست اور صاحب کمال شخصیت سے استفادہ۔ فروع ۱، لوگوں کے شرعی معاملات سے دلچسپی۔ ۲، مشہور و معروف اصحاب فن مسلم شخصیات سے استفادہ ۳، اہل علم سے مشورہ اور استفادہ ۴، مشکل مسئلہ میں جواب لَآ اَدْرِیْ ۵، فتاوٰی قاضی خان کی ایک مشکل عبارت میں علماء سے طویل مراسلت۔

افتاء اور اُسکی ذمہ داری

فتوٰی کے بُنیادی اجزاء: ۱ کسی اہم اور مشکل معاملہ میں جب کوئی ایسا مسئلہ در پیش ہو جو نہایت عمیق اور لاینحل سمجھا جائے اور خواص کی نظر میں بھی سہل اور آسان نہ ہو۔ ہر کس و ناکس کے فہم کو وہاں تک رسائی حاصل نہ ہو سکتی ہو۔ ایسی صورت میں ایک طے شدہ اور حتمی فیصلہ جس پر عمل کیا جا سکے معاشرہ کے حق میں مفید اور مؤثر ثابت ہو۔ اسکی اہمیت و ضرورت سے کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہو۔ زندگی کے اہم مقاصد و مطالب اس سے وابستہ ہوں۔ خانہ داری سے لیکر ملکی تدبیر و سیاست میں بہت بڑا کردار ادا کر سکتا ہو۔ گویا انسانی حیات کا محور اور قطب کی حیثیت رکھتا ہو۔ ایسے حکم یا فیصلہ کو شرعی اصطلاح میں فتوٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فتوٰی کی تعریف: فتوی، فُتُوَّۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی جوانمردی، ہمت

قوّت اور بہادری کے ہیں۔
افتاء کے معنی جوانمردی اور اپنی قوّت کو کام میں لانا ہے۔ اس معنی میں شرعًا مفتی اس شخص کو کہا جائیگا جو اپنی خدا داد صلاحیّت کے پیشِ نظر اور پختہ علم کے ذریعے کسی پیچیدہ زیرِ بحث معاملہ میں حتمی حکم دیتا ہو اور اسکی نسبت شریعت کی طرف کرتا ہو۔
امام راغب اصفہانی م ۵۰۲ ہجر تحریر فرماتے ہیں :
والفُتیا والفتوٰی۔ الجواب عمّا یُشکل من الاحکام ویقال استفتیت فأفتانی بکذا[1]
"مشکل احکام کے جواب دینے کو فتوٰی اور فُتیا کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے میں نے اس سے استفتاء کیا اور اس نے مجھے اس طرح جواب دیا۔"
علاّمہ ابن منظور افریقی مصری لکھتے ہیں :
والفتیا تبیین المشکل من الأحکام، اصلہٗ من الفتی وھو الشابّ الحدث الذی شبّ وَقَوِیَ، فکأنّہ یقوّی ما أشکل ببیانہ فَیَشِبُّ ویصیر فتیّا قویّا واصلہ من المفتی وھو الحدیث السن۔ وأفتی المفتی اذا أحدث حکما۔ وفی الحدیث : الأثم ما حك فی صدرك وإن أفتاك الناس عنہ وأفتوك ای وإن جعلوا لك فیہ رخصۃ وجوازا۔[2]
فُتیا مشکل احکام کی توضیح وتفسیر۔ فتیَ سے ماخوذ ہے۔
وہ نوجوان جس میں سن اور قوت کے اعتبار جوانی کا عروج ہو۔
گویا وہ اپنی وضاحتِ تقریر سے مشکل کو (جو درجہ ضعف میں ہوتا ہے) تقویت پہنچاتا ہے۔ تو اس میں شباب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ قوی جوان ہو جاتا ہے۔
فتیَ سے ماخوذ ہے۔ بمعنی نئے سن والا۔ أفتی المفتی۔ جب وہ نیا حکم صادر کرے۔
حدیث میں ہے۔ گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اگرچہ لوگ اس کے بارے فتوٰی دیں أفتوك : یعنی اگرچہ وہ تیرے لیے اس میں رخصت اور جواز کا حکم دے دیں۔

---

[1] المفردات ص ۳۷۹

[2] لسان العرب ص ۱۴۸ ج ۱۵

مذکورہ بالا تقریر و توضیح اور فتویٰ کی تعریف سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ افتاء کے سلسلہ میں چار چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ۱۔ ضروری اور لازمی علم کا حاصل ہونا۔ ۲۔ کسی اہم اور مشکل سوال طلب مسئلہ کا حل کرنا۔ ۳۔ زندگی کے اہم مقاصد و مطالب اس سے وابستہ ہوں۔ ۴۔ فیصل شدہ، یقینی اور قطعی حکم دینا۔

قرآن مجید میں استفتاء اور افتاء متعدد مقامات پر آئے ہیں جن سے اس موضوع میں راہنما اصول حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ ویستفتونك فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن[1]

عرب کے لوگ عورتوں اور یتیم بچوں کو بعض حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔ میراث نہ دیتے اور کہتے میراث اس کا حق ہے جو دشمن سے لڑائی کرے۔ یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ، مہر میں کمی اور ان کے مال میں بے جا تصرف کرتے تھے۔ تو اس مقام میں یتیموں کے حق ادا کرنے اور عورتوں کو وراثت دینے کی تاکید ہوئی چونکہ معاملہ نہایت اہم اور معاشرے کی رُو سے عام فہم تھا اس لیے بجائے سوال و جواب کے اس کا عنوان استفتاء اور افتاء سے قائم کیا گیا۔

۲۔ یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکللۃ[2]

کلالہ اسے کہتے ہیں جس کے وارثوں میں والد اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو۔ چونکہ اصلی وارث والد اور اولاد ہی ہوتے ہیں۔ جس کے یہ وارث نہ ہوں اسکی جائیداد بہن بھائیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ بہن بھائی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ حقیقی، پدری، مادری۔ ان میں تقسیم کا مسئلہ مختلف اور قدرے مشکل تھا اس لیے اسے بھی استفتاء اور افتاء کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

۳۔ قالت یایھا الملؤا أفتونی فی امری ماکنتُ قاطعۃ امرا حتی تشھدون[3]

یہ ملکہ سبا بلقیس کا کلام ہے۔ جو اپنے درباریوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مختصر

---

[1] النساء رکوع ۱۹ [2] النساء رکوع ۲۴

[3] النمل رکوع ۳

جامع اور پُرعظمت خط کے بارے مشورہ طلب کر رہی ہیں۔ خط یہ تھا:
"میرے مقابلہ میں زور آزمانے سے کچھ نہ ہوگا۔ خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرلو اور حکم بردار ہو کر حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔"

اس پر پوچھ رہی ہے اس خط کا کیا جواب دیا جائے؟

"جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ تمہارے مشورہ کے بغیر نہیں کیا کرتی۔"

چونکہ معاملہ ملکی سیاست سے متعلق تھا اور آئندہ اہم تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا تھا۔ اس لیے اس مشورہ کو افتاء کا عنوان دیا گیا۔

قاطعۃ امراحتی تشھدون کے الفاظ سے واضح ہے کہ افتاء کا تعلق ایک یقینی اور قطعی حکم سے ہوتا ہے۔ یہ حکم ایک شہادت اور طے شدہ بات ہے۔

۴- یایھا الملؤا أفتونی فی رءیای ان کنتم للرءیا تعبرون [1]

یہ بادشاہ مصر کا کلام ہے جو اپنی شوریٰ سے خواب کی تعبیر پوچھتا ہے۔ تعبیر ایک خاص فن ہے۔ ہر ایک عالم کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔ بلکہ یہ وہبی اور عطائی علم ہے خدا تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اس سے سرفراز فرماتے ہیں۔ پھر وہ خواب بھی بظاہر ناقابلِ فہم اور غیر معقول سا نظر آتا ہے

"سات دبلی گائیں موٹی گائیں کو کھا جاتی ہیں اور سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹی ہیں اور انہیں خشک کر دیتی ہیں۔"

اس لیے اس خواب کی تعبیر کو افتاء کا عنوان دیا گیا ہے۔ اور یہ شرط بھی لگائی "اگر اس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔"

یہ خواب بخلاف اس خواب کے ہے جس کا ذکر اس سے پہلے رکوع میں کیا گیا ہے۔

"جیل خانہ کے دو نوجوان قیدیوں نے خواب دیکھا کہ ایک بادشاہ کو شراب پلا رہا ہے اور دوسرے کے سر پر کئی ٹوکرے ہیں جس میں سے پرندے نوچ کر کھا رہے ہیں۔"

یہ خواب سہل اور آسان تھا کوئی مشکل اس میں نہیں تھی۔ اس لیے اسکی تعبیر میں لفظ افتاء

---

[1] سورۃ یوسف رکوع ۶

کی بجائے " نَبّأْتُ " لایا گیا ہے۔

خواب کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو لیکن خواب دیکھنے والا تعبیر پوچھے بغیر اس کے اثرات سے خائف رہتا ہے اور تعبیر بتانے پر ہی اسے اطمینان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان دو خوابوں کے بارے میں اسی قصہ میں استفتاء کا لفظ آیا ہے۔

۵۔ قضی الامر الذی فیہ تستفتین ؏

قضاء وقدر کا فیصلہ یہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ جو بات تم پوچھتے تھے وہ میں نے بتلا دی۔ یہ بالکل طے شدہ امر ہے جس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔

۶۔ فاستفتھم اھم اشد خلقا ام من خلقنا الخ ؏۲

اس آیت میں منکرین بعثت سے سوال کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ دوبارہ پیدا ہونے کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس لیے قوی دلیل پیش کر کے بالتاکید سوال کرنے کو استفتار سے تعبیر کیا ہے

۷۔ ولا تستفت فیھم منھم احدا۔ ؏۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قبل اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اور اس بحث میں بہت زیادہ حصہ لیا جاتا تھا۔ اس آیت میں آپ کو یہ کہا گیا " زیادہ تحقیق سے کام نہ لو اور ان کے بارے ان میں سے کسی سے دریافت نہ کرو "

اس قسم کی غیر معتد باتوں میں زیادہ جھگڑا کرنا لا حاصل ہے۔ عدد کے معلوم ہونے سے کوئی معتد بہ مسئلہ متعلق نہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استفتاء میں تحقیق و تفتیش کے معنی پائے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کے جواب " افتاء " میں اس سے بھی زیادہ قوت اور زورِ کلام ہونا چاہیے تاکہ ایک مفتش کو اس کا پورا جواب مل جائے اور اس کا اطمینان ہو جائے۔

؏ سورۃ یوسف رکوع ۵

؏۲ سورۃ صافات رکوع ۱

؏۳ سورۃ کہف رکوع ۳

حدیث میں افتار کا مقام

الفاظ کے اس اچھوتے انداز بیان کے ساتھ ساتھ اس موضوع سے متعلق چند احادیث کے اسلوب کا مطالعہ بھی کر لیجئے۔

۱۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے۔ تو اس کا گناہ اس پر ہوگا جو اس سے فتویٰ دریافت کرتا ہے"۔ کیونکہ اس بے علم شخص کے فتویٰ کا باعث وہی ہوا ہے۔ بے علم سمجھ کر اس سے مسئلہ دریافت کیا۔ اسے صحیح جواب مطلوب نہیں ہے۔ ایسا شخص غافل ہے یا نفس پرست. تو وہی گنہگار ہوگا۔

اس حدیث کا دوسرا معنی یہ ہے۔ "اگر مسئلہ دریافت کرنے والا (مستفتی) بے علم ہے۔ اور اسے غلط فتویٰ بتلایا گیا ہے تو اس کا گناہ فتویٰ دہندہ (مفتی) پر ہوگا"۔

دراین معنی ظاہر تر است[1] یہ آخری معنی زیادہ واضح ہے۔

اس حدیث کا بقیہ حصہ جس سے اس بحث پر روشنی پڑتی ہے یہ ہے۔

"جس نے مشورہ طلب اپنے بھائی کو ایسا حکم دیا ہے۔ جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ مصلحت اس کے علاوہ دوسری صورت میں ہے۔ تو واقعی اس نے اپنے بھائی کی خیانت کی ہے"۔

غور طلب امر ہے کہ دنیوی امور میں غلط مشورہ خیانت کہلاتا ہے تو بغیر علم کے فتوی، دینی مشورہ دینا کیا کم جرم ہوگا۔ جس کی وجہ سے عالم میں فتنہ و فساد برپا ہوا اور دنیا کفر کی سرحد تک پہنچ جائے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من افتی بغیر علم کان اثمه علی

---

[1] اشعة اللمعات ج ۱ ص ۱۸۱

من افتاہ رواہ ابوداؤد[1]

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے عطا کردہ علم واپس نہ لے گا کہ زبردستی چھین لے لیکن علماء کی موت کی صورت میں علم واپس لے لے گا۔ حتیٰ کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا یا کوئی عالم دنیا میں باقی نہ رہے گا۔ لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا لیں گے ان سے مسائل دریافت کئے جائیں گے۔ تو وہ بغیر علم اور فہم کے فتویٰ (جواب) دیں گے خود بھی گمراہی میں پڑ جائیں گے اور وں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ملا علی قاری رحؒ نے لفظ رؤوس (سردار) کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد خلیفہ (صدر) قاضی (حاکم) مفتی، امام اور شیخ پیر و مرشد مراد ہیں یعنی لوگ جاہلوں کو صدر مملکت، حاکم، مفتی، امام اور پیشوا تسلیم کرلیں گے۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلما حتّی اذا لم یُبْقَ عالما اتخذ النّاس رُءُسًا جُھّالا فسُئِلُوا فأَفتوا بغیر علم فضَلّوا واضلّوا متفق علیہ[2]

رؤسا ای خلیفۃ وقاضیا ومفتیا واماما وشیخا[3]

۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکی۔ ایک پوتی اور ایک بہن کی بابت سوال کیا گیا کہ ان کو کتنا ورثہ ملے گا۔ جواباً فرمایا لڑکی کا نصف۔ بہن کا نصف حصہ ہے

---

[1] ابوداؤد ج ۲ کتاب العلم ص ۵۱۵

[2] مشکوٰۃ کتاب العلم ج ۱ ص ۳۳

[3] مرقات ج ۱ ص ۲۷۳

اور کہا کہ ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ وہ میری متابعت کریں گے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا اور آپ کو ابوموسیٰ اشعریؓ کے جواب سے مطلع کیا گیا ۔ آپ نے فرمایا اگر میں ان کی متابعت کروں تو میں گمراہ ہو جاؤنگا اور ہدایت پر نہیں ہوں گا ۔ میں اس میں وہی فتویٰ دوں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا ۔ لڑکی کا نصف پوتی کا چھٹا حصہ اس سے دوتہائی مکمل ہو جاتی ہیں اور باقی بہن کے لیے تو ہم ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آئے اور انکو آپکے قول سے مطلع کیا تو انہوں نے کہا جبتک یہ بڑے عالم تم میں رہیں تو مجھ سے سوال نہ کرنا[۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے فتویٰ کی تصدیق و تصویب دوسرے اہل علم سے کرالینی چاہیے ۔ علماء کو چاہیے کہ اپنے سے بڑے علماء کے ہوتے ہوئے مشکل مسائل میں رائے زنی سے کام نہ لیں ۔ بلکہ خلق خدا کو ان کی طرف متوجہ کریں ۔

۴ ۔ دو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھگڑا لے کر آئے ۔ ایک نے کہا کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں ۔ دوسرے نے بھی عرض کی یا رسول اللہؐ واقعی آپ اللہ کی کتاب سے فیصلہ دیں ۔ اور آپ مجھے بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں ۔ آپ نے فرمایا بات کرو ۔ اس نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس ملازم تھا اس کی عورت سے زنا کیا ۔ مجھے لوگوں نے بتلایا کہ میرے بیٹے پر رجم (سنگسار) کی سزا ہے ۔ تو میں نے سو بکری اور اپنی لونڈی دے کر اس کا فدیہ ادا کیا ۔ اس کے بعد میں نے اہل علم سے دریافت کیا ۔ انہوں نے بتلایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں اور جلا وطنی کی سزا ہے ۔ رجم (سنگسار) اس کی عورت پر ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا ۔

اما والذی نفسی بیده لاقضین بینکما بکتاب الله اما غنمك وجاريتك فردّ عليك واما ابنك فعليه جلد مائة وتغريب عام واما انت يا انيس فاغد الى امرأة هذا فان اعترفت فارجمها فاعترفت فرجمها ۔ متفق علیه[۲]

---

[۱] بخاری ج ۲ ص ۹۹۷

[۲] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۰۹ ، بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۰ ، مسلم ج ۲ ص ۶۹

ترجمہ: تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا ریوڑ اور تیری لونڈی تجھے واپس مل جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے۔ مزید جلا وطنی کی سزا ملے گی۔

اور انیس۔ تو اس شخص کی عورت کے پاس جاکر پوچھو اگر اعتراف کرے تو اسے سنگسار کر دو۔ اس نے اعتراف کیا اور انیس نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

معلوم ہوا کہ جب تک اطمینان خاطر نہ ہو اس وقت تک تجسّس اور تفتیش جاری رکھے۔ اس حدیث سے بڑے قاضی اور مفتی اور بڑی عدالت کی طرف رجوع کرنے کا جواز بھی ملتا ہے اور یہ کہ آخری اور قطعی فیصلہ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہو وہی قابل عمل اور ناطق ہوگا اور پہلے فیصلوں پر عمل درآمد کالعدم متصوّر ہوگا۔

واضح ہو کہ قرآن میں رجم کا حکم نازل ہوا تھا بعد میں آیت رجم کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم بدستور باقی رہا لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔

اسلام میں فتویٰ کی اہمیت

۱۔ ہمارے اسلاف کی ہمت اور ہماری غفلت شیخ امام ابوالفرج بن الجوزیؒ المتوفی اپنے دور میں اصحاب افتاء کے بارے میں شاکی ہیں۔ اپنے غم و غصہ کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اذا صح قصد العالم استراح من كلف التكليف فان كثيرا من العلماء يانفون من قول لا أدرى ، فيحفظون بالفتوى جاههم عند الناس لئلا يقال جهلوا الجواب ، وان كانوا على غير يقين مما قالوا ۔ وهذا نهاية الخذلان ۔ وقد روى عن مالك بن انس ان رجلا سأله عن مسئلة فقال : لا ادرى ، فقال سافرت البلدان اليك ، فقال

ارجع الى بلدك وقل سألت مالكا فقال لا ادری - فانظر الى دين هذا الشخص وعقله كيف استراح من الكلفة، وسلم عند الله عز وجل -

ترجمہ: جب عالم کی نیت درست ہوا سے تکلف کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی بہت سے علماء لا ادری - میں نہیں جانتا کے جواب میں عار محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنے فتویٰ کے ذریعے لوگوں میں اپنی وجاہت کی حفاظت کرتے ہیں۔ تاکہ وُہ یہ نہ کہیں کہ انہیں جواب کا پتہ نہیں - اگرچہ ان کو اپنے فتویٰ پر یقین بھی نہ ہو۔ یہ تو بہت بڑی رسوائی ہے - امام مالکؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن سے ایک مسئلہ دریافت کیا امام نے لا ادری کہا - وہ بولا بہت سے علاقے طے کرکے میں آپ کے پاس پہنچا ہوں آپ نے فرمایا اپنے شہر میں جاکر کہو میں نے مالک سے دریافت کیا اس نے کہا لا ادری۔ بھلا اس شخص کے دین اور اس کی عقل پر ذرا غور کرو کہ خواہ مخواہ کی مشقت میں نہیں پڑے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا معاملہ صاف رکھا -

اور اگر اس سے ان لوگوں کا مقصد یہ ہے - کہ ہماری قدر و منزلت بڑھے - تو انہیں معلوم ہونا چاہیے - کہ عوام کے دل خود ان عوام کے قبضہ میں نہیں ہیں - وہ تو غیر "اللہ تعالیٰ" کے ہاتھ میں ہیں -

اللہ کی قسم : میں نے بہت لوگ ایسے دیکھے جنہوں نے نماز روزہ اور خاموشی اختیار کر رکھی تھی - ان سے اور ان کے لباس سے خشوع ظاہر ہوتا تھا - لیکن عوام کے دل ان سے بہت دور تھے - ان کی نظر میں ان کی قدریں نہیں ہیں اور اس کے برعکس ایسے لوگوں کو دیکھا جو فاخرہ لباس پہنتے تھے - اتنی نفل عبادت نہ تھی اور نہ صوفیانہ لباس - لیکن دل انکی محبت میں متحیر اور سرگرداں نظر آتے اس کی وجہ معلوم کرنے کی میں نے بڑی کوشش کی۔ تو وہ سریرہ معلوم ہوا - یعنی صفاء باطن یعنی دل کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صحیح رکھنا -

كما روى عن انس بن مالك انه لم يكن له كبير عمل

من صلاة وصوم، وانما كانت سريرة ۔ فمن اصلح سريرته فاح عبير فضله ۔ وعبقت القلوب بنشر طيبه فالله الله فى السرائر فانه ما ينفع مع فساد لا صلاح ظاهر[۱]

ترجمہ: جیسا کہ انس بن مالک سے مروی ہے ۔ ان کا اتنا بڑا عمل کوئی نماز روزہ نہ تھا۔ البتہ سریرہ یعنی صفائے باطن اور نیت کی سچائی تھی ۔ تو جس کا اندر کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست ہوگا ۔ تو اس کے فضل و کمال کے عنبر کی خوشبو پھیلے گی اور دل اس کی خوشبو کے پھیلنے سے معطر ہوں گے ۔ سرائر کے تحفظ میں میں بار بار تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں ۔ ظاہری درستی اور سجاوٹ کا باطن کی خرابی کے ہوتے ہوئے کوئی فائدہ نہیں ہے ۔

فتویٰ کے باب میں بے اعتنائی اور ادائے امانت میں غفلت

اسلام آج کس مپرسی کی حالت میں ہے ۔ واعظ مدرس قاضی اور مفتی جیسے مناصب جلیلہ پر قانوناً اور عرفاً کوئی پابندی نہیں ۔ اس دور میں ہر کھوٹی چیز کی کھری چیز میں آمیزش ہوگئی ہے ۔ اس طرح دنیا میں حاکم ۔ امام اور امیر جیسے عہدہ پر بھی نااہل لوگ مسلط ہوگئے ہیں ۔ راہنمائی اور لیڈری کے طالب سرکاری ڈگری حاصل کر کے مفسر فقیہ اور مفتی بن بیٹھے ہیں ۔ ان کے ہاں صنعت و حرفت کے لیے اسناد چاہیے ۔ لیکن اسلامی منصب کے لیے کوئی شرط نہیں ۔ یہ کتنی بڑی جسارت ہے ایک شخص فتویٰ جیسے اہم شعبہ پر اپنے طور پر اقدام کرتا ہے اور اس کا اہل نہیں ہوتا اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ۔ ہمارے اسلاف افتاء میں تدافع یعنی اپنے بجائے دوسرے عالم کی طرف متوجہ کرتے اور خود گمنامی کی زندگی پسند کرتے تھے ۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے علامہ ابن حجرؒ کے فتاویٰ کے حوالہ سے لکھا ہے ان سے ایک شخص کے بارے پوچھا گیا ۔ کہ وہ فقہی کتب پڑھتا ہے ۔ خود بخود مطالعہ کرتا رہتا ہے ۔ کوئی اس کا شیخ اور استاذ نہیں ۔ وہ فتویٰ دیتا ہے اسے اپنے مطالعہ پر اعتماد ہے ۔ کیا اس کے لیے اس کا جواز ہے یا نہیں ؟

فاجاب بقوله لایجوز له الافتاء بوجه من الوجوه لانه عامی جاهل لایدری ما یقول۔

ترجمہ: جواب دیا کہ اس کے لیے کسی صورت میں افتار جائز نہیں۔ کیونکہ وہ تو ایک اندھا اور جاہل شخص ہے۔ اسے کیا خبر کہ وہ کیا کہتا ہے۔

وہ شخص جس نے معتبر مشائخ سے علم حاصل کیا ہو اس کے لیے بھی ایک دو کتاب سے افتار جائز نہیں۔ امام نووی ؒ نے تو یہاں تک کہا ہے۔ دس کتب سے بھی جائز نہیں کیونکہ دس بلیں بھی کبھی ایک مذہبی ضعیف مقالے پر مبنی ہوتی ہیں (اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے) لہذا اس مقالہ کی نقل میں ان کی تقلید جائز نہیں

بخلاف الماهر الذی اخذ العلم عن اهله وصارت له فیه ملکة نفسانیة فانه یمیز الصحیح من غیره و یعلم المسائل و ما یتعلق بها علی الوجه المعتد به فهٰذا هو الذی یفتی الناس ویصلح ان یکون واسطة بینهم و بین الله تعالیٰ واما غیره فیلزمه اذا تسور هذا المنصب الشریف التعزیر البلیغ والزجر الشدید الزاجر ذلك لامثاله عن هذا الامر القبیح الذی یؤدی الی مفاسد لاتحصی والله تعالیٰ اعلم[1]

ترجمہ: البتہ وہ شخص جس نے اہل فن سے علم حاصل کیا اور اس میں اسے طبعی ملکہ پیدا ہوگیا وہ صحیح کو غیر صحیح سے تمیز کر سکتا ہے۔ مسائل اور متعلقات مسائل کو صحیح معنوں میں سمجھ سکتا ہے۔ یہ شخص افتار کے لائق ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین واسطہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دوسرا شخص جو اس منصب کو پھاندنے کی جسارت کرے وہ سخت تعزیر کا

---

[1] عقود رسم المفتی ص۱۶

مستحق ہے اور ایسی شدید سزا جو اس شخص کے ذریعے اس کی طرح ان جیسے اور اشخاص کو بھی اس قبیح کام سے باز رکھے ۔ جس کی خرابیاں حد شمار سے باہر ہیں ۔

دنیا پرست قاری ۔ محدث اور فقیہ لوگوں کے معائب پر ایک نظر

شیخ امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزیؒ اپنے مخصوص انداز میں ہر ایک طبقہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

اکثر علماء علم کی ظاہری شکل وصورت کا تو اہتمام کرتے ہیں ۔ اس کی اصل حقیقت اور اس کے مقصود اصلی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ۔

قاری۔ روایات میں مشغول ۔ قرائت شاذہ پر کاربند ہے ۔ وہ سمجھتا ہے کہ تلاوت ہی مقصود ہے متکلم کی عظمت اور قرآن کی زجر و توبیخ کو دھیان میں نہیں لاتا بسا اوقات وہ یہ خیال کرتا ہے کہ حفظ قرآن اس کا بچاؤ کرے گا ۔ اس بنا پر وہ گناہوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتا ۔ وہ اگر ذرا سی سمجھ رکھتا تو اسے پتہ چل جاتا کہ ان پڑھ کی بنسبت قرآن الٹا اس کے خلاف قوی حجۃ ہے

محدث ۔ طرق احادیث کے جمع کرنے میں اور حفظ اسانید میں زندگی صرف کر دیتا ہے ۔ منقولات کی غرض وغایت میں تامل نہیں کرتا ۔ اس کا خیال ہے ۔ کہ اس نے ذخیرہ احادیث کو تحفظ دیا اور اسے لوگوں تک پہنچا دیا ہے ۔ اس خدمت کے صلہ میں وہ آخرت کے بارے مطمئن نظر آتا ہے ۔ بسا اوقات بڑی بڑی خطاؤں میں بسہولت بے پرواہی سے داخل ہو جاتا ہے ۔ اس خیال سے کہ اس کی دینی خدمت اس کا بچاؤ کرے گی ۔

فقیہ ۔ ایسی جدالی ابحاث جن کے ذریعے اسے اپنے حریفوں پر قوت حاصل ہے اور چند ایسے مسائل کی وجہ سے جن میں اس نے اپنے مذہب کی معرفت حاصل کر لی ہے ۔ اسے یہ یقین ہو گیا ۔ کہ لوگوں کو اس کا افتاء اس کی بلندی قدر کا باعث ہے اور اس کے گناہ مٹا دیتا ہے ۔

بسا اوقات یہ شخص بڑے بڑے گناہوں پر اس خیال سے جرأت کرتا ہے کہ اس کی یہ دینی خدمت اس کا دفاع کرے گی۔ عموماً یہ لوگ قرآن حفظ کرتے ہیں اور نہ ان کو حدیث کی معرفت ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں ہی اپنے گرم اور نرم لہجہ سے آدمی کو فواحش سے باز رکھتی ہیں۔ قرآن اور حدیث سے جہالت کے باوجود رئیس بننے اور بحث اور جدال میں غلبہ کی طلب کا مزید مرض بھی ان میں پایا جاتا ہے۔ تو اس سے ان کی قسوۃ قلبی (سنگ دلی) میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

علم کی ظاہر وضع اور اس کی شکل وصورت کو قائم رکھنا ان کے ہاں بہت بڑے ہنر کی بات ہے۔ یہی چیز ان کے لیے کبر اور حماقت کا سامان مہیا کرتی ہے[1]۔

افتاء کے علمی اصول

اصل اول۔ علم مصادر اور مراجع

افتاء کے لیے کتاب وسنۃ کا اور اجماعی مسائل کا عالم ہونا ضروری ہے۔ ان سے متعلق احکام۔ حلال اور حرام کو مفتی جانتا ہو۔ قرآن کے عموم وخصوص اور ناسخ ومنسوخ سے بھی بخوبی واقف ہو۔ وہ علوم وفنون جن کے توسط سے کتاب وسنۃ کے انداز خطاب اور احکام کے مراجع ومصادر پر اطلاع ممکن ہو ان پر عبور رکھتا ہو۔

محض چند ایک مسائل میں مہارت بہم پہنچانے والا شخص مفتی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کا نظریۂ توازن مابین حدیث وفقہ مطالعہ فرمائیے اور ان کے نکتہ رس سخن آشنا ذہن کی داد دیجئے فرماتے ہیں۔

ان یکون صاحب حدث له معرفة بالفقه لیعرف معانی الاثار او صاحب فقه له معرفة بالحدیث لئلا یشتغل بالقیاس فی المنصوص علیه[2]

---

[1] صید الخاطر ص ۳۶۳

[2] الہدایہ ج ۳ ص ۱۱۶

ترجمہ: یعنی وہ علم حدیث مشہور ہو۔ حدیث ہی اس کا مشغلہ حیات ہو اور فقہ بھی جانتا ہو لیکن بلنسبت حدیث کے کم جانتا ہو۔ یا وہ علم فقہ میں مشہور صاحب فن ہو اور حدیث کا بھی علم رکھتا ہو لیکن بلنسبت فقہ کے کم علم رکھتا ہو۔ تاکہ ایک محدث۔ فقہ کی بدولت منقولات و آثار کے علل و اسباب کی معرفت حاصل کر سکے اور ایک فقیہ بوجہ معرفت بالحدیث مسائل منصوصہ میں رائے و جتہاد کی غلطی میں مبتلا نہ ہو۔

اسی مضمون کو امام صیرفیؒ نے بیان کیا ہے۔ کہ مفتی کتاب و سنت کا عالم ہو اور ساتھ استنباط یعنی اجتہاد کی نعمت سے بھی سرفراز ہو۔ الفاظ یہ ہیں۔

موضوع هذا الاسم يعني المفتى لمن قام للناس بامر دينهم وعلم جمل عموم القرآن وخصوصه وناسخه ومنسوخه وكذلك السنن والاستنباط ولم يوضع لمن علم مسائله وادرك حقيقتها فمن بلغ هذه المرتبة سموه بهذا الاسم ومن استحقه أفتى فيما استفتي[۱]

امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی المتوفی ۴۸۲ھ نہایت مختصر الفاظ میں ان شرائط کا ذکر کرتے ہیں۔

اما شرطه فان يحوى علم الكتاب بمعانيه وعلم السنة بطرقها ومتونها ووجوه معانيها وان يعرف وجوه القياس[۲]

ترجمہ: اجتہاد اور افتاء کی شرط یہ ہے کہ مجتہد (اور مفتی) کتاب اللہ کے معانی

---

[۱] ارشاد الفحول ص ۲۳۷

[۲] کنز الوصول الی معرفۃ الاصول طبع مصر ص ۲۷۸

اور حدیث کی اسانید اور متون اور ان کے معانی کے طریقوں کے علم پر حاوی ہو اور یہ کہ قیاس کے طرق اور وجوہ کو بھی جانتا ہو۔

فقہ افضل علوم ہے۔ اور فقہاء خیر الخلائق

شیخ امام ابوالفرج ابن جوزیؒ رقم طراز ہیں۔

أعظم دليل على فضيلة الشئ النظر الى ثمرته۔ ومن تامل ثمرة الفقه علم أنه افضل العلوم فان ارباب المذاهب فاقوا بالفقه على الخلائق ابداً۔ وان كان فى زمنهم من هوا علم منه بالقرآن اوبالحديث اوباللغة واعتبر هذا بأهل زماننا فانك ترى الشاب يعرف مسائل الخلاف الظاهرة فيستغنى، ويعرف حكم الله تعالى فى الحوادث مالا يعرفه التحرير من باقى العلماء۔ وكم رأينا مبرزا فى علم القرآن او فى الحديث أو فى التفسير اوفى اللغة لايعرف مع الشيخوخة معظم احكام الشرع۔ وربما جهل علم ماينوبه فى صلاته على انه ينبغى للفقيه الايكون اجنبيا عن باقى العلوم فانه لايكون فقيها بل يأخذ من كل علم بحظ ثم يتوفر على الفقه فانه عز الدنيا والاخرة[1]

ترجمہ: کسی شئے کی فضیلت اس کے نتائج اور فوائد کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ فقہ اور اس کے ثمرہ میں جو شخص غور و فکر کرے گا۔ تو وہ اسے تمام علوم سے افضل سمجھے گا۔ دیکھئے ائمہ مجتہدین ارباب مذہب کو تمام خلائق پر فوقیت حاصل

---

[1] صید الخاطر ص ۱۲۹ - ۱۳۰

ہے۔ اگرچہ ان کے دور میں ایسے لوگ بھی تھے جو قرآن میں حدیث میں یا لغۃ میں ان سے بڑھ کر عالم تھے۔

ہمارے زمانہ میں ذرا اہل عصر کو دیکھو ایک نوجوان جو ظاہری خلافی مسائل کو جانتا ہے۔ تو مستغنی ہو جاتا ہے۔ حوادث کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی ایسی پہچان رکھتا ہے کہ دوسرے اجل فضلاء کو اس کا پتہ تک نہیں چلتا۔ ہم نے علم قرآن یا حدیث یا تفسیر میں فاضل ایسے علماء کو دیکھا ہے کہ باوجود اپنی اس مہارت اور شیخوخت شرع کے بڑے اہم احکام کو نہیں جانتے۔ لبا اوقات نماز میں اپنے ساتھ پیش آمدہ مسئلہ کی واقفیت نہیں رکھتے۔

ہاں اس فضیلت کے باوجود جو فقیہ کو حاصل ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فقہ کے علاوہ دوسرے علوم سے اجنبی نہ ہو کیونکہ وہ اس کے بغیر کامل فقیہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر علم سے کافی حصّہ حاصل کرے پھر اپنی زیادہ تر توجہ فقہ پر مرکوز کرے یہ تو دنیا اور آخرت کا وقار اور عزت ہے۔

محدث کے لیے تشاغل بالفقہ ضروری ہے

اس سلسلہ میں ہم شیخ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزیؒ کے ضروری اور اہم نوٹس پیش کرنا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

انسانی زندگی کا سلسلہ وسیع وعریض ہوتا تو ہر علم میں تعمق بہتر تھا۔ عمریں کوتاہ اور علم بہت ہیں۔ لہذا جب ایک شخص قرآن حفظ کر لیتا ہے۔ وہ قرأت عشرہ پر اکتفا کرے اور حدیث میں صحاح ستہ۔ سنن مسانید مصنفہ کا انتخاب کرے۔

علم حدیث کا بہت بڑا وسیع دائرہ حدود ہے۔ اس کے طرق مختلف ہیں۔ علم حدیث کے شعبے بعض بعض سے متعلق ہیں۔ اس قدر تو باعث شوق و ذوق ہے۔ فقہاء تو اس تطویل کو علم الکسالی کہتے ہیں۔ یہ لوگ ساری زندگی لکھتے رہے اور سماع کرتے رہے اور حفظ نہ کر پائے۔ اس سلسلہ کی اصل مہم چیز ان سے رہ جاتی یعنی فقہ کو حاصل نہیں کر سکتے۔

وقد كان المحدثون قديماهم الفقهاء ثم صار الفقهاء لايعرفون الحديث والمحدثون لايعرفون الفقه فمن كان ذاهمة ونصح نفسه تشاغل بالهم من كل علم، وجعل جُلّ شغله الفقه و هو اعظم العلوم واهمها۔

ترجمہ: قدیم زمانہ میں محدث فقیہ ہوا کرتے تھے ۔ پھر رفتہ رفتہ ایسے لوگ فقیہ بن بیٹھے جنہیں حدیث کی پہچان نہیں ۔ اور ایسے محدث جو فقہ کی معرفت نہیں رکھتے۔ جو شخص صاحب ہمت ہو اور اپنے آپ کا خیر خواہ ہو تو ہر علم کے ایک اہم کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنالے اور اس کا عظیم مشغلہ فقہ ہو۔ فقہ تمام علوم سے قدر و منزلت اور ضرورت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے ۔

حکایت و مثال

ولما تشاغل بالطرق مثل يحيى بن معين فاته من الفقه كثير، حتى انه سئل عن الحائض ايجوز ان تغتسل الموتى فلم يعلم، حتى جاء ابو ثور فقال: يجوز لان عائشة رضى الله عنها قالت: كنت أرجّل رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا حائض فيحيى اعلم بالحديث منه، ولكن لم يتشاغل بفهمه. فأنا انهى اهل الحديث ان يشغلهم كثرة الطرق ۔

ترجمہ: یحییٰ بن معینؒ جیسے محدث نے جب طرق حدیث کے فن کو اپنا مشغلہ بنا لیا تو فقہ کا کافی حصہ ان سے رہ گیا ۔ حتیٰ کہ ایک حائض عورت کے بارے ان سے دریافت کیا گیا ۔ کہ کیا وہ مُردوں کو غسل دے سکتی ہے ۔ تو ان کو معلوم نہ ہوا حتیٰ کہ ابو ثور آئے اور بتلایا کہ جائز ہے ۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا میں بحالتِ حیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو کنگا کیا کرتی تھی ۔

حالانکہ یحییٰ بنسبت ابو ثور کے اعلم بالحدیث ہیں۔ اس بنا پر میں محدثین کو اس سے منع کرتا ہوں۔ کہ کثرتِ طرق کا شوق انہیں فقہ سے باز رکھے۔

کتنا بڑا سانحہ ہے۔ کہ محدث سے کسی حادثہ کے بارے دریافت کیا جائے اور اسے اسمیں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم نہ ہو

ومن اقبح الاشياء ان تجرى حادثة يسأل عنها شيخ قد كتب الحديث ستين سنة فلا يعرف حكم الله عز وجل فيها وكذلك النهى من يتشاغل بالتزهد والانقطاع عن الخلق ان يعرض عن العلم بل ينبغى ان يجعل لنفسه منه حظا ليعلم ان زل كيف يتخلص[1]

ترجمہ: ایک شیخ کے لیے کتنی بڑی قبیح بات ہے۔ کہ کسی حادثہ کے متعلق اس سے استفسار کیا جائے وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم نہ پہچان سکے جبکہ اس نے ساٹھ سال حدیث کی خدمت کی اور اسے لکھا ہو۔

ایسے صوفیاء جنہوں نے ترک دنیا کیا اور خلق خدا سے دور رہے انہیں علم سے روگردانی کرنے سے روکتا ہوں۔

بلکہ خوش نصیب شخص وہ ہے جو اپنے لیے علم کا وافر حصہ حاصل کرتا ہے تاکہ اگر اس کا قدم پھسلنے لگے تو اسے معلوم ہو کہ خلاصی کی کون سی صورت ہے۔

فقیہ کے لیے علم حدیث بالخصوص اور ہر علم کا اہم حصہ بالعموم حاصل کرنا ضروری ہے

شیخ امام ابو الفرج ابن جوزیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] صید الخاطر ص ۳۵۷-۳۵۸

علم الحديث هو الشريعة، لانه مبين للقرآن وموضح للحلال والحرام وكاشف عن سير الرسول صلى الله عليه وسلم وسير اصحابه وقد مزجوه بالكذب وأدخلوا فی المنقولات کل قبیح،

ترجمہ: علم حدیث ہی شریعت اور ضابطۂ حیات ہے۔ قرآن کی مفسر اور حلال وحرام کی وضاحت کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی سیرت وحالات کو بالتفصیل بتلاتی ہے۔ لیکن لوگوں نے اس میں بھی جھوٹ کی آمیزش کر دی ہے۔ اور منقولات اور آثار میں ہر قسم کی قبیح بات داخل کر دی ہے۔

وكذلك الوعاظ يحدثون الناس بما لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا اصحابه. فقد صار المحال عندهم شريعة. فسبحان من حفظ هذه الشريعة باحبار اخيار ينفون عنا تحريف الغالين وانتحال المبطلين [1]

ترجمہ: دوسرے طبقات کی طرح واعظین لوگوں کو ایسی حدیثیں بتاتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی نسبت صحیح ثابت نہیں ہیں ان کے ہاں محال بات ہی شریعت کہلاتی ہے اس کی ذات کیا ہی عجیب ہے۔ جس نے اخبار اخیار یعنی افضل ترین متبحر علماء کے ذریعہ اس شریعت کی حفاظت کی جو غالیوں کی شریعت میں داخل کردہ تحریف اور باطل پرستوں کی کذب بیانیوں کی نفی کر کے اس سے دور کرتے ہیں۔

وما زالت الاحاديث المنقولة عن الرسول صلى الله عليه وسلم واصحابه رضى الله عنهم يقل الاسعاد بها والنظر

---

[1] صید الخاطر ص ۲۴۴ - ۲۴۵ -

فیھا الی ان اعرض عنھا بالکلیۃ فی زماننا ھذا وجھلت الا النادر، واتخذت طرائق تضاد الشریعۃ، وصارت عادات، وکانت اسھل عند الخلق من اتباع الشریعۃ واذا کان عامۃ من ینسب الی العلم قد اعرض عن علوم الشریعۃ فکیف العوام۔ ولما اعرض کثیرمن العلماء عن المنقولات ابتدعوا فی الاصول والفروع فالاصولیون تشاغلوا بالکلام واخذوہ من الفلاسفۃ وعلماء المنطق ودخلت ایدی الفروعیین فی ذلک فتشاغلوا بالجدل وترکوا الحدیث الذی یدور علیہ الحکم۔

ترجمہ: عرصہ دراز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے منقول احادیث کا اہتمام کم ہوگیا ہے اور ان میں نظر و فکر کالعدم یہاں تک ہمارے دور میں اس سے کلیۃ اعراض کیا گیا۔ اس علم سے الا ماشاء اللہ جہالت برتنے لگے۔ وہ طور و طریقے اپنائے گئے جو شریعت سے ٹکرانے لگے اور یہ روزمرّہ کا معمول بن گئیں۔

اتباع شریعت کی بجائے یہ عادات ان کو سہل نظر آنے لگیں۔ جب علم سے منسوب عامۃ الناس۔ علوم شرعیہ سے اعراض کرنے لگے تو عوام کا کیا کہنا۔ جب علماء کی اکثریت نے منقولات سے اعراض کیا تو نتیجہ اصول اور فروع میں اختراع اور ابتداع شروع کر دیا۔ اصولیوں نے علم کلام کا شغل اختیار کیا اور فلاسفہ اور علماء منطق سے مستعار لیا فروعین آئے تو جدل و جدال کا آغاز کیا اور مدار حکم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔

واما الأمراء فجروا مع العادات وسموا ما یعقلونہ من القتل والقطع سیاسات لم یعملوا فیھا بمقتضی الشریعۃ وتبع الاخیر فی ذلک المتقدم فاین الشریعۃ

المحمديه ومن اين تعرف مع الاعراض عن المنقولات : نسأل الله عزوجل التوفيق للقيام بالشريعة ، والاعانة على رد البدع انه قادر[1]

ترجمہ: امراء اپنی عادات پر قائم رہے ۔ اپنی کرتوت خونریزی اور قطع رحمی کا نام سیاسیات رکھا ۔ بعد کو آنے والے نے پہلے کا اتباع کیا شریعت محمدیہ کہاں رہی ۔ اے شخص منقولات سے اعراض کرکے تجھے عرفان کہاں نصیب ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ عزوجل سے ہم شریعت پر قیام کی اور بدعات پر رد کرنے کی توفیق کے سائل ہیں ۔ وہ قادر ہے۔

"للفقيه ان يطالع من كل فن طرفا من تاريخ وحديث ولغة وغير ذلك ۔ فان الفقيه يحتاج الى جميع العلوم فليأخذ من كل شئ منها مهماً "

ترجمہ: فقیہ کو تاریخ ۔ حدیث ۔ لغۃ ہر فن کا ایک حصّہ مطالعہ کرنا چاہیے ۔ فقیہ تمام علوم کا محتاج ہے ۔ اسے ہر علم کا ایک معتد بہ حصّہ حاصل کرنا چاہیے ۔

ولقد رأيت بعض الفقهاء يقول اجتمع الشبلى وشريك القاضى فاستعجبت له كيف لايدرى بعد ما بينهما

ترجمہ: بعض فقہاء کو میں نے دیکھا ۔ وہ کہہ رہے تھے شبلی اور قاضی شریک ایک دفعہ جمع ہوئے تو مجھے تعجب ہوا کہ اس کو ان کے مابین بعد زمانی کا بھی پتہ نہیں ہے اور کیوں ؟ .

وقال اٰخر فى مناظرة كانت الزوجيّة بين فاطمة وعلى رضى الله عنهما غير منقطعة الحكم ، فلهذا غسلها فقلت له : ويحك فقد تزوج امامة رضؓ بنت زينب رضؓ وهى بنت اختها فانقطع[2]

---

[1] صيد الخاطر ص ۲۶۳ - ۲۶۴

[2] ص ۳۶۵

ترجمہ: ایک دوسرے فقیہ نے مناظرے میں کہا۔ فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما کی زوجیت کا تعلق حضرت فاطمہ رضؓ کی موت پر بھی منقطع نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نے ان کو غسل دیا۔ میں نے کہا افسوس۔ آپؓ نے امامہ بنت زینبؓ سے نکاح کیا جو حضرۃ فاطمہ رضؓ کی بھانجی ہیں تو دنیوی حکم کے اعتبار سے نکاح منقطع ہو گیا۔

فینبغی لکل ذی علم ان یسام بباقی العلوم فیطالع منہا طرفا اذ لکل علم بعلم تعلق۔

ترجمہ: ہر ذی علم کے یہ شایان شان ہے کہ وہ دیگر علوم کے اعتبار سے بھی بلند ہو۔ جبکہ ہر علم کا دوسرے علم کے ساتھ ربط اور تعلق ہے۔

کیا ہی قبیح بات ہے۔ کہ محدث مسئلہ نہ بتا سکے اور فقیہ کو حدیث کے معنی اور اس کی صحت کا پتہ نہ ہو

وما اقبح بمحدث یسأل عن حادثۃ فلا یدری، وقد شغلہ منہا جمع طرق الاحادیث۔ وقبیح بالفقیہ أن یقال لہ ما معنی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یدری صحۃ الحدیث ولا معناہ نسأل اللہ عز وجل ھمۃ عالیۃ لا ترضی بالنقائص بمنہ ولطفہ [1]

ترجمہ: ایک محدث کے لیے یہ کیا ہی قبیح بات ہے۔ کہ کسی حادثہ کے بارے اس سے حکم پوچھا جائے اور وہ نہ بتا سکے۔

احادیث کے مختلف طرق جمع کرنے میں وہ اپنی زندگی لگا دے اور ایسے ہی ایک فقیہ کے لیے یہ کیا ہی بری بات ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے معنی دریافت کئے جائیں اسے اس کی صحت کا علم ہو اور نہ وہ حدیث

---

[1] صـ ۳۶۶

...ن جانتا ہو۔

اللہ عزوجل سے ہم ایسی ہمت عالیہ کے سائل ہیں جو اس کے فضل و کرم سے نقائص پر راضی نہ ہو۔

امام شمس الائمہ السرخسیؒ نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں ذرا تفصیل سے یوں بیان کیا ہے۔

ولا ینبغی ان یستعمل علی القضاء الا الموثوق به فی عفافه وصلاحه وعقله وفهمه وعلمه بالسنة و الآثار ووجوه الفقه الذی یأخذ منها الاحکام فانه لایستقیم ان یکون صاحب رأی لیس له علم بالسنة والاحادیث فمثله یضل الناس ولا صاحب حدیث لیس له علم بالفقه فکما لا یختار للقضاء الا من یجتمع فیه هذه الشرائط فکذلك للفتوی فان القاضی یقضی وقد کان القاضی فی الصدر الاول یسمی مفتیا فلا ینبغی لاحد ان یفتی اِلّا من کان هکذا الا ان یفتی شیئا قد سمعه فیکون حاکیا ما سمع من غیره بمنزلة الراوی لحدیث سمعه یشترط فیه ما یشترط فی الراوی من العقل والضبط والعدالة والاسلام [۱]

ترجمہ: منصب قضاء پر اس شخص کو لگانا چاہیے جس پر ان مندرجہ ذیل صفات کے متعلق اعتماد کیا جا سکے۔ پاک دامنی۔ خیر۔ عقل فہم۔ سنت اور آثار کے علم اور فقہی اصول جہاں سے وہ احکام اخذ کرتا ہے۔

کیونکہ ہر وہ شخص اس منصب کے لیے موزوں نہیں ہے۔ جو صاحب رائے ہو

---

[۱] المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۱۰۹

لیکن سنت اور احادیث کا علم نہیں رکھتا ایسا شخص لوگوں کو گمراہ کرے گا۔
(بحدیث افتوا بغیر علم ضلوا فاضلوا) اور ایسا شخص بھی مناسب حال نہیں جو محدث ہو لیکن فقہ کا علم نہیں رکھتا (حدیث نضر اللہ امرا سمع مقالتی میں روایت وحفاظت اور معافقہ کو ذکر کیا گیا ہے)
جیسے قضا کے لیے ایسے شخص کا انتخاب عمل میں آتا ہے جو ان شرائط کا جامع ہو ایسے فتویٰ کے لیے یہ ضروری ہیں ۔ قاضی میں افتار کا کام کرتا ہے ۔ صدر اول میں تو قاضی کو مفتی کہا کرتے تھے ۔
البتہ اگر سنی ہوئی بات پر فتویٰ دیتا ہے ۔ تو وہ راوی کی طرح ناقل ہے ۔ اس میں بھی وہ شرائط ملحوظ ہوں گی جو راوی میں ہیں ۔ عقل ۔ ضبط ۔ عدالت ۔ اور اسلام ۔

اصل دوم تفقہ اور اجتہاد

مفتی صاحب رائے ۔ فقیہ اور مجتہد ہو ۔ استنباط و اجتہاد کی قوت رکھتا ہو ۔ اپنی خداداد استعداد کی بدولت پیش آمدہ مسائل میں پختہ اور قوی رائے قائم کر سکے ۔ وسیع النظر اور مسئلہ کے ہر پہلو سے باخبر ہو ۔ جو مسئلہ کتاب وسنۃ اور اجماع میں نہ ملے اس کے استخراج کی پوری صلاحیت رکھتا ہو ۔ لہذا مصیب الرای ۔ پختہ ذہن صحیح فکر رکھنے والا ہو ۔ اور فقہ میں صاحب تصرف ہو ۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم ۔ (سورہ آل عمران رکوع)

ترجمہ : جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی واقعہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے (تو بہتر ہوتا) تاکہ جو اس کی حقیقت اور تہہ کو پہنچ سکتے ہیں ۔ وہ اس کو جان لیتے ۔ (پھر جیسا مناسب سمجھتے کرتے)
اس آیت میں اولی الامر ایسے حضرات کو کہا گیا ہے ۔ جن میں اجتہاد اور استنباط کا مادہ

موجود ہو تاکہ ضرورت کے وقت وہ جزئیات کو اصول کی طرف اور غیر منصوص مسائل کو احکام منصوصہ کی طرف لوٹا کر معاملہ کی نزاکت کو معلوم کر سکیں اور یہ کام حضرات فقہاء کرام اور مجتہدین کا ہے ۔ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔

فقد حوت هذه الآية معانی منها ان فی احکام الحوادث ماليس بمنصوص عليه بل مدلول عليه ۔ ومنها على أن العلماء استنباطه والتوصل الى معرفته برده الى نظائره من المنصوص ومنها أن العامى عليه تقليد العلماء فی احکام الحوادث[1]

ترجمہ: بلاشبہ یہ آیت کریمہ متعدد معانی و مطالب پر مشتمل ہے ۔ ایک[1] یہ کہ پیش آمدہ مسائل کے احکام ایسے بھی ہیں جو صراحۃً ثابت نہیں بلکہ دلیل سے ان کی طرف راہنمائی ہوتی ہے اور دوسرا[2] یہ علماء پر ان کا استنباط اور منصوص نظائر کی طرف لوٹا کر انکی معرفت تک توصل لازم ہے اور تیسرا[3] یہ کہ عامی پر پیش آمدہ مسائل کے احکام میں علماء کی تقلید لازم ہے ۔

بعض حضرات کا مطمح نظر خصوصی شرائط ہوتی ہیں ۔ وہ کتاب و سنۃ اور اجماع کے علم کی ابتدائی شرط چھوڑ دیتے ہیں ۔ کہ اس کے بغیر تو علمی سطح کا قیام محال ہے ۔ افتاء کی ذمہ داری تو کہیں بڑی بات ہے ۔ ابن سمعانی کہتے ہیں ۔

المفتی من استکمل فيه ثلاث شرائط الاجتهاد والعدالة والكف عن الترخيص والتساهل[2]

مفتی وہ ہے جس میں تین شرطیں مکمل طور پر پائی جائیں ۔ اجتہاد[1]، عدالۃ[2] اور رخصت[3] اور سستی سے باز رہنا ۔

---

[1] احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۵

[2] ارشاد الفحول ص ۲۳۸

اجتہاد پر مبنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور و معروف فتویٰ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک عورت کے بارے دریافت کیا گیا نکاح کے وقت جس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا ۔ رخصتی سے قبل اس کا شوہر گیا ۔ فرمایا : میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں " اگر صحیح ہو تو منجاب اللہ ہے اور اگر غلط ہو تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں[1] "

" اس کا مہر اس جیسی عورتوں کی طرح مہر مثل ہوگا ۔ کم و بیش نہیں ہوگا ۔ اسے میراث ملے گی اور اس پر عدت بھی لازم ہے "

معقل بن سنان اشجعی یہ سن کر کھڑے ہوئے اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبیلہ کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا جو آپ نے کیا ہے ۔

عن علقمة عن ابن مسعود رضی اللہ عنه أنه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها شيئا ولم يدخل بها حتى مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط وعليها العدة ولها الميراث فقام معقل بن سنان الاشجعيؓ فقال قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بروع بنت داشق امرأة منا بمثل ما قضيت ففرح ابن مسعود ۔ رواه الترمذى وابوداؤد والنسائى والدارمى[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ سے اس قدر خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ کبھی خوش نہیں ہوئے تھے ۔ کیونکہ ان کی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق ثابت ہوئی[3]

---

[1] اعلام الموقعین ص ۶۷ ص ۶۸

[2] مشکوٰۃ باب الصداق ص ۲۷۷ ، ۲ / ترمذی ج ۱ ص ۲۱۷

[3] اعلام الموقعین ص ۶۷ ۔ ص ۶۸

افتاء کے لیے اجتہاد کی شرط

الشیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف یا بن ہمام رح المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں۔
مجتہد کے اقوال پر مبنی فتویٰ دینے والا شخص مفتی نہیں۔ جس مجتہد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اسے اس کا حوالہ دینا چاہیے۔ یہ فتویٰ نہیں بلکہ مستفتی کے جواب کے لیے مفتی کے کلام کی نقل ہے۔ اس صورت میں ناقل کے پاس اس کی سند ہوگی یا وہ منقول عنہ شخص کی مشہور و معروف کتاب سے لے گا۔ مثلاً کتب امام محمد سے جو کہ متواتر یا مشہور کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن زمانہ سابق و حال میں اکثر و بیشتر ناقلین فتویٰ کو مفتی سے یاد کیا جاتا ہے۔

قد استقر رأی الاصولیین علی أن المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد فمن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفتی۔ والواجب علیه اذا سُئل ان یذکر قول المجتهد علی وجه الحکایة فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتویٰ الموجودین فلیس بفتویٰ بل هو نقل کلام المفتی لیأخذ به المستفتی وطریق نقله لذلك من المجتهد احد الامرین اما ان یکون له فیه سند الیه او یاخذه عن کتاب معروف نحو کتب محمد بن الحسن ونحوها لانه بمنزلة الخبر المتواتر او المشهور[1]

شیخ ابن ہمام کے قول پر تنقید متاخرین کے زمانہ میں بھی مفتی میں اجتہاد کی شرائط کم و بیش مفقود تھیں جیسا کہ علامہ ابن ہمام کے کلام میں مذکور ہو چکا ہے اور آج ہمارے دور میں تو یہ عنقا کا درجہ رکھتیں ہیں۔ لہذا مفتی کو جس میں حالات حاضرہ کے مطابق پوری صلاحیتِ فتویٰ موجود ہو ناقل فتویٰ قرار دینا دینی اعتبار سے بہت سی مشکلات کا موجب ہے ہمیشہ عصر حاضر کے بالمقابل نقل کی حدود تو مختصر ہوتی ہیں۔

---

[1] فتح القدیر ج ۵ ص ۵۶ ص ۵۷

شیخ ابن ہمامؒ پر علامہ ابن دقیق العیدؒ کا تنقیدی جائزہ

علامہ ابن دقیق العیدؒ کا تنقیدی جائزہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔

مجتہد پر فتویٰ کا مدار اور انحصار بہت بڑی حرج کا باعث ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ لوگوں کو ان کی ہوا پرستیوں میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لہٰذا مختار قول یہ ہے۔ کہ جو متقدمین ائمہ کے کلام کو روایت کرے عادل ہو اور ان کے کلام کو سمجھتا ہو اور مقلد کو امام کے قول پر مطلع کرے وہ مفتی ہے۔ عامی آدمی اس سے یہی سمجھتا ہے کہ اس اطلاع سے میرے پاس یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ہمارے زمانہ میں اسی جواب کے فتویٰ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

اور یہ بدیہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ازواج اپنے مسائل حیض وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی طرف جو آپ کی اطلاع کی بدولت ان کو حاصل تھی۔ رجوع کیا کرتی تھیں۔

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل کہ انہوں نے مقداد بن اسودؓ کو مذی کے مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔

حالانکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت ممکن تھی اور ہمارے زمانہ میں ائمہ مجتہدین کا ملنا دشوار ہے۔ تو ہمارا مدعی اس سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے۔

نیز اس پر اتفاق رائے ہے۔ کہ قاضیوں کے فیصلے نافذ العمل ہیں۔ گو ان میں آج شرائط اجتہاد نہیں پائی جاتیں۔

قال ابن دقیق العید توقیف الفتیا علی حصول المجتهد یفضی الی حرج عظیم او استر سال الخلق فی اهویتهم فالمختار ان الراوی عن الائمة المتقدمین اذا کان عدلا متمکنا من فهم کلام الامام ثم حکی للمقلد قوله فانه یکتفی به لان ذلك مما یغلب علی ظن العامی أنه

حکم اللہ عندہ وقد انعقد الاجماع فی زماننا علی ھذا النوع من الفتیا ھذا مع العلم الضروری بأن نساء الصحابۃ کن یرجعن فی احکام الحیض وغیرہ الی ما یخبر بہ ازواجھن عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکذلک فعل علی رضی اللہ عنہ حین أرسل المقداد بن الاسود فی قصۃ المذی وفی مسئلتنا اظھر فان مراجعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ ذاک ممکنۃ ومراجعۃ المقلد الان للائمۃ السابقین متعذرۃ وقد اطبق الناس علی تنفیذ احکام القضاۃ مع عدم شرائط الاجتھاد الیوم انتہی[1]

تجزیہ اقوال اور ابن دقیق العید کے قول کی ترجیح

یکے بعد دیگرے پیش آمدہ حوادث اور غیر متوقع وقوع پذیر نوازل کا دائرہ توبہت وسیع ہے۔ مرتبہ دواوین احکام اور مدونہ مسائل کی کمند اتنی وسیع و عریض اور حیست نہیں کہ ان پر پوری آسکے۔ ایسی صورت میں فتویٰ کے لیے نقل کے حصار کی قید اور مفتی کے لیے اجتہاد کی شرط مضر ثابت ہوسکتی ہے۔ مثلاً بعض امور زندگی شرع سے خارج ہوں۔ علماء امت کا اکثر طبقہ احکام خداوندی کے متعلق اپنی حتمی رائے کے اظہار سے قاصر ہو اور اس سلسلہ میں لوگوں کی دینی راہنمائی کا اہل نہ ہو۔ اس سے دینی تعطل اور اسلامی دعوت کے ساتھ استخفاف پیدا ہوگا۔ اکمال دین اور اتمام نعمت کا دعویٰ ایک مزاح بن کر رہ جائے گا۔

شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی (المتوفی ۵۹۳ھ) فرماتے ہیں زمانہ کی ترقی کی رفتار کے مطابق اس کی دینی ضروریات ہر دور میں علماء امت کے ذریعے پوری ہوتی رہیں اور یہ سنت اللہ ہے، وأخلف اللہ علماء الٰی سنن سننھم

---

[1] ارشاد الفحول ص ۲۳۸

داعین یسلکون فیما لم یؤثر عنهم مسلک الاجتهاد مسترشدین منه فی ذلک وهو ولی الارشاد وخصّ اوائل المستنبطین بالتوفیق حتی وضعوا مسائل من کل جلی ودقیق غیر ان الحوادث متعاقبة الوقوع والنوازل لیضیق عنها نطاق الموضوع [1]

امام محمد بن احمد السرخسی الحنفیؒ المتوفی ۴۸۳ھ فرماتے ہیں۔

"کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحلیل یا تحریم ایجاب یا ذمہ کو فارغ کرنے کا کوئی حکم نہ ہو اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ہر مسئلہ میں نص نہیں پائی جاتی منصوص مسائل تو معدود اور متناہی ہیں اور قیامت تک جو مسائل پیش آنے والے ہیں۔ ان کی کوئی انتہا نہیں اور لفظ حادثہ میں اشارہ ہے کہ اس میں کوئی نص نہیں کیونکہ جس میں نص موجود ہو وہ تو معہود اصل ہے اور اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں طلباً یا روایۃً نص ہی پر ٹیک نہیں لگاتے تھے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ میں نص موجود نہیں"

انه ما من حادثة الاوفیها حکم الله تعالیٰ من تحلیل او تحریم او ایجاب او اسقاط ومعلوم ان کل حادثة لایوجد فیها نص فالمنصوص معدودة متناهیة ولانهایة لما یقع من الحوادث الی قیام الساعة وفی تسمیة حادثة اشارة الی أنه لانص فیها فان ما فیه النص یکون اصلا معهودا وکذلک الصحابةؓ ما اشتغلوا باعتماد نص فی کل حادثة طلبا او روایة فعرفنا انه لایوجد نص فی کل حادثة [2]

---

[1] الهدایة ج ۱ ص ۱۴

[2] (اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۳۹ طبع مصر)

محولہ بالا عبارات سے یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ مستفتی کے جواب میں ائمہ کے کلام کو نقل کرنے والا بشرط فہم وعدل مفتی کہلانے کا مستحق ہے ۔ اسی نوع جواب کو فتویٰ کہنے پر اجماع منعقد ہوچکا ہے ۔ عامی شخص اس جواب کو اپنے لیے حکم خداوندی سمجھتا ہے اور اس پر مطمئن ہوجاتا ہے ۔ جیسا کہ ابن دقیق العیدؒ نے کہا ہے اور صاحب ہدایہ اور امام سرخسیؒ کے کلام سے یہ مستفید ہوتا ہے کہ حسب استعداد و صلاحیت ہر دور میں سلسلہ اجتہاد و استنباط جاری رہا ہے اور نقل پر اکتفاء اور مسائل ماثورہ کا کافی اور وافی ہونا ناممکن ہے تمام پیش آمدہ مسائل میں نص موجود نہیں ہے غیر منصوص مسائل میں قیاس اور اجتہاد تا قیامت جائز ہے اور اس سے کوئی مخلص اور چارہ نہیں ۔

مفتی کے لیے اجتہاد کی شرط فتویٰ میں مسلّم ہے

علامہ زین العابدین ابن نجیم مصری (المتوفی ۹۹۶ھ) اس قضیہ کی بطور استدراک یوں عقدہ کشائی کرتے ہیں ۔ افتاء اور قضاء میں اجتہاد سے مجتہد مطلق قطعاً مراد نہیں ہے ۔ کیونکہ اس پر تو تقلید حرام ہے ۔ جیسا کہ اصول میں اسے صراحت سے بیان کیا ہے ۔ بلکہ اس سے مراد وہ ہے جو مجتہد فی الفتویٰ ہو ۔

لیس المراد بالمجتهد فی کلامهم هنا المجتهد المطلق قطعا لأنه یحرم علیه التقلید کما صرحوا به فی الأصول وانما المراد به مجتهد الفتوی [1]

علامہ احمد بن حمدان الحرانی الحنبلی اجتہاد فی المذہب اور اجتہاد فی الفتویٰ کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

وصفة الاجتهاد التی تؤهل المفتی للافتاء لیس مقصودا بها ان یکون قد نال مرتبة الاجتهاد المطلق بل المهم ان یکون مجتهدا

---

[1] مجموعہ رسائل ابن نجیم ص۶۶

فيما يفتى [1]

ترجمہ: وہ اجتہاد جو مفتی میں افتاء کی اہلیت پیدا کرتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مفتی مطلق اجتہاد کے درجہ پر فائز ہو بلکہ غرض یہ ہے۔ کہ جن مسائل میں وہ فتویٰ دیتا ہے۔ ان میں مجتہد ہو۔

یعنی جس مذہب میں مفتی نے تفقہ پیدا کیا۔ اس کے مسائل جلی اور خفی کی معرفت حاصل کی اس میں وہ مجتہد ہے۔ کیونکہ وہ ان مسائل میں فتویٰ دے گا جو مستند ہوں گے ان کے دلائل کو پرکھے گا اور اچھی طرح ضبط کرے گا۔

المحدث الحافظ الفقيه الاصولى ابى عمرو بن عثمان المعروف بابن الصلاحؒ المتوفى ۶۴۳ھ

اجتہاد مطلق اور اجتہاد مقید کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

درجة الاجتهاد المطلق تحصل بتمكنه من تعرف الاحكام الشرعيّة من ادلتها استدلا لا من غير تقليد

ترجمہ: مطلق اجتہاد کا درجہ اسوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ ادلہ سے احکام شرعیہ کا علم بطور استدلال بغیر تقلید کے حاصل کرنے پر قدرت ہو۔

والاجتهاد المقيد درجه تحصل بالتبحر فى مذهب امام من الائمة بحيث يتمكن من الحاق مالا ينص عليه ذلك الامام بما نص عليه معتبرا قواعد مذهبه واصوله [2]

ترجمہ: اجتہاد مقید یہ ہے کہ ائمہ مذاہب میں سے کسی کے مذہب میں تبحر علمی کرنا۔ بایں طور کہ امام کے غیر منصوص مسائل کو منصوصہ سے حاصل کیا جائے اور اس میں امام کے مذہب اور اس کے اصولوں کا خاص خیال رکھا جائے۔

---

[1] ماہنامہ البعث الاسلامی ص ۵۰۴ ۱۴۰۴ھ ذی الحجہ

[2] فتاویٰ ابن الصلاح ص ۳۳۲ ۔

اصل سوم۔ کتاب وسنت اور اجماع کے موافق ہو

ضروری ہے۔ کہ افتاء اوفق بالکتاب والسنۃ والاجماع عامۃ المسلمین کے لیے سہل اور آسان ہو مفید اور ارفق ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف کے لازم ہونے کے لیے حاکم کا فیصلہ اور وصیت کے الفاظ اور صیغے شرط ہیں اور صاحبین کے نزدیک ان کے بغیر بھی وقف لازم ہوجاتا ہے۔

فقیہ النفس القاضی فخر الدین حسن بن منصور بن محمود الاوزجندی المتوفی ۵۹۲ھ فرماتے ہیں کہ صاحبین کے ہاں ان تکلفات کے بغیر وقف لازم ہے۔ لوگوں نے (علماء نے) ان آثار مشہورہ کے پیش نظر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے مروی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول کو نہیں لیا۔ نیز اس وجہ سے کہ مہمان سرا اور مسافر خانوں کا رواج شروع سے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے بانی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔

صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

وعند هما الوقف لازم بغير هذه التكلفات والناس لم يأخذوا بقول ابی حنيفةؒ فی هذه الآثار المشهورة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابةؓ وتعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولها وقف الخليل صلوات اللہ وسلامه عليه[1]

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۳ھ اپنے مشہور ومعروف رسالہ رسم المفتی میں فرماتے ہیں۔

مسائل فقہیہ کا کتاب وسنت اور اجماع سے ماخذ معلوم اور مشہور ہو تو ان میں کسی کا نزاع نہیں اور اگر وہ مسائل اجتہادیہ ہیں۔ تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کو

---

[1] قاضی خان کتاب الوقف ج ۴ ص ۳۰۹

اگر مجتہد نے نقل کیا ہے تو اس کا اتباع لازم ہے اور اگر کسی نے مجتہد سے نقل کیا ہے اور اس کی نقل کو ثابت کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر ناقل اپنی طرف سے نقل کرتا ہے یا کسی دوسرے مقلد سے یا کسی کی طرف نسبت کئے بغیر مطلقا ذکر کرتا ہے معہذا دلیل شرعی بیان کرتا ہے پھر اس میں کلام نہیں اور اگر دلیل شرعی بیان نہیں کرتا لیکن وہ نقل مسلمہ اصول اور کتب معتبرہ کے موافق ہے تو پھر ان مسائل پر عمل جائز ہے۔ اور عالم کو چاہیئے کہ وہ اس نقل یعنی ان مسائل منقولہ پر دلیل طلب کرے اور اگر مسائل منقولہ ان قواعد کے مخالف ہوں تو وہ قابل التفات نہیں ہیں۔

قال ان المسائل الفقهية ان كان ماخذها معلوما مشهورا من الكتاب والسنة والاجماع فلا نزاع فيها لاحد.... والا بان كان اجتهادية ينظر ان نقلها مجتهد لزم اتباعه والّا فان نقلها عن مجتهد وأثبت نقله فكذلك والا فان كان ينقل من قبل نفسه او من مقلد اخر او اطلق فان بيّن دليلا شرعيا فلا كلام والا ينظر فان وافق الاصول والكتب المعتبرة يجوز العمل بها وينبغى للعالم أن يطلب الدليل عليه وان خالف ما ذكر فلا يلتفت اليه[1]

اصل چہارم۔ ادلۂ اربعہ میں ترتیب استدلال

اس پوری بحث سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ افتاء میں پیش آمدہ اصولوں میں کتاب وسنت اور اجماع بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اجتہاد اور قیاس کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ احتجاج اور استدلال میں اسی ترتیب کو برقرار رکھا جائے گا۔ کتاب اللہ کا حکم سب پر ناطق ہوگا۔

---

[1] مجموعۃ الرسائل ص ۱۷۹

اس کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو من وعن یہ مقام حاصل ہوگا۔ پھر اجماع اور قیاس کا۔ قیاس واجتہاد کی طرف اجماع کے فیصلہ کے بعد رجوع کیا جائے گا۔ ان کو ادلۂ اربعہ کہتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے انہی کو اپنی فقہ کے لیے بطور اصول تسلیم کیا ہے کہ ایک میں حکم نہ ملے تو دوسری چیز کی طرف بالترتیب رجوع کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بناکر بھیجنا چاہا تو فرمایا۔

کیف تقضی ان عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد برائی ولا الو فضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لما یرضی رسول اللہ[1]

ترجمہ: جب تیرے پاس جھگڑا آئے تو تو اس کا کیا فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا۔ انہوں نے فرمایا پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔

آپ نے حضرت معاذ کی چھاتی پر رضا اور شفقت کا ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۹۔

حمد و ثنا ہے ۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے ۔

امام شمس الائمہ السرخسیؒ نے ان میں سے بعض مشقوں کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے مناسب ہوگا کہ ان کے الفاظ میں ان مطالب کو ذکر کیا جائے ۔

وینبغی له ان یقضی بما فی کتاب الله فان أتاه شیٔ لم یجده فیه قضی فیه بما اتاه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فان لم یجده فیه نظر فیما اتاه عن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم و رضی عنهم قضی به و قدمه علی القیاس لقوله صلی الله علیه وسلم اصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم ۔

ترجمہ : سب سے پہلے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر فیصلہ کرے اور اگر اس کے پاس کوئی ایسا معاملہ پیش ہو جو کتاب اللہ میں نہیں ملا ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ کے ارشادات سے فیصلہ کرے اور اگر اس میں نہیں ملا تو صحابہ کرامؓ کی ہدایات پر نظر ڈالے اور ان کے مطابق فیصلہ کرے ۔

اور قیاس پر ان کو مقدم سمجھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ۔ ان میں جن کی اقتدا کروگے ہدایت پالوگے ۔

فان اختلفوا فیه تخیر عدة اقاویله احسنها فی نفسه ولیس له ان یخالفهم جمیعا ویبتدع شیئا من رایه ۔

ترجمہ : اگر ان کا آپس میں اختلاف ہو تو چند مختلف اقوال میں جو بذاتہ احسن ہو اسے اختیار کرے ۔ قاضی کو یہ حق نہیں ہے ۔ کہ ان سب کی مخالفت کرے اور اپنی رائے سے ایک نئی راہ نکالے ۔

لانهم لو اجتمعوا علی قول لم یجز لاحد ان یخالفهم

فاذا اختلفوا على اقاويل محصورة فذلك اجماع منهم على ان الحق لا يعد مما قالوا فلا يجوز لاحد ان يخالفهم ويبتدع شيئا من رائيه ولكنه يختار احسن الاقاويل في نفسه ۔

ترجمہ: کیونکہ صحابہ کرام جس بات پر متفق ہو جائیں تو ان کی مخالفت کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے ۔

تو جس وقت چند محدود و محصور اقوال پر صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہو تو یہ ان کی طرف سے اس بات پر اجماع ہے کہ حق ان کی بات سے متجاوز نہیں ۔

لہٰذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے ۔ کہ ان کی مخالفت کرکے اپنی رائے سے ایک نئی بات نکالے ۔ لیکن وہ ان اقوال میں احسن اقوال کو اختیار کرسکتا ہے ۔

فان لم يجده في ماجاءه عن احد منهم اجتهد رايه في ذلك وقاسه بما جاء منه ثم قضى بما يجتمع رايه عليه من ذلك ويرى انه الحق لانه مامور بفصل القضاء والتكليف بحسب الوسع

ترجمہ: ہاں اگر صحابہ کرامؓ کی مرویات میں سے کسی ایک سے وہ مسئلہ نہیں ملا ۔ تو اپنی رائے کو کام میں لائے اور مرویات پر قیاس کرے اور پھر اپنی متفق رائے سے فیصلہ کرے اور یہ باور کرے کہ یہ حق ہے ۔ اس لیے کہ وہ قضاء کے باب میں من جانب اللہ مامور ہے اور تکلیف وسعت کے مطابق ہوتی ہے ۔

فان اشكل عليه شاور رهطا من اهل الفقه فيه وكذلك ان لم يكن من اهل الاجتهاد فعليه ان يشاور الفقهاء لانه يحتاج الى معرفة الحكم ليقضي به.....

ترجمہ: اور اگر اسے مشکل پیش آئے تو اس میں اہل فقہ کی ایک جماعت سے باہمی مشورے کرے ۔

ایسے ہی اگر اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ بھی فقہاء کے مشورے سے بات طے کرے۔ کیونکہ وہ فیصلہ کے لیے حکم معلوم کرنے کا محتاج ہے۔

فان اختلفوا فیہ نظر الی أحسن اقاویلھم واشبھھا بالحق فأخذ

ترجمہ: فقہاء اگر اس مسئلہ میں اختلاف کریں تو ان کے احسن اور اشبہ بالحق پر نظر کر کے فیصلہ کرے۔

الا ان ھنا ان رأی خلاف رایھم فان استحسن واشبہ الحق قضی بذلك لان اجماعھم لا ینعقد بدون رایہ وھو واحد منھم

ترجمہ: البتہ اگر اپنے ہم عصر علماء کی رائے کے خلاف مفتی یا قاضی کی رائے ہو اور وہ اپنی رائے کو اچھا سمجھتا ہو اور وہ اشبہ بالحق ہو تو اس پر فیصلہ دے۔

اس لیے کہ اہل عصر کا اجماع اس کے رائے کے بغیر منعقد نہیں ہو سکتا اور یہ بھی تو منجملہ اہل عصر کا ایک فرد ہے۔

وان لم یکن من اھل اجتھاد الرای لیختار بعض الاقاویل نظر الی افقھھم عندہ واورعھم فقضی بفتواہ فھذا اجتھاد مثلہ [1]

ترجمہ: اور اگر یہ شخص رائے کا اتنا اجتہاد بھی نہیں رکھتا کہ مختلف اقوال میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتا ہو تو ان علماء حضرات میں سے اس کے نزدیک جو زیادہ فقیہ اور پرہیزگار ہو تو اس کے فتویٰ پر فیصلہ کرے یہ بھی اسی طرح کا ایک اجتہاد ہے۔

---

[1] المبسوط ج ۱۶ ص ۸۴

علم اور اجتہاد قابل تقلید امر ہے

شیخ امام ابوالفرج عبد الرحمن بن الجوزیؒ کثرت علم کو معیار تقلید قرار دیتے ہوئے ائمہ مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ کے بارے اپنی حسن عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

کن مع العلماء وانظر الی طریق الحسن۔ وسفیان ومالک۔
وابی حنیفة۔ واحمد۔ والشافعی۔ وھؤلاء اصول الاسلام
ولا تقلد دینک من قل علمه وان قوی زھده[1]

ترجمہ: علماء کے ساتھ رہو۔ حسن بصری۔ سفیان ثوری۔ امام مالک۔ امام ابوحنیفہؒ امام احمد۔ امام شافعی کے طریق پر خوب نظر ڈالو۔ یہ لوگ اصول اسلام ہیں اپنے دین کے معاملہ میں ان کی تقلید مت کرو جو قلیل العلم ہوں اگرچہ ان کا زہد قوی کیوں نہ ہو۔

مقلدین پر امام کے قول کا اتباع

ان العمل بقول ابی حنیفةؒ علی مقلدیه واجب والافتاء بغیرہ لا یجوز لھم الخ

یعنی امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین پر آپ کا قول واجب العمل ہے۔ دوسرے مذہب پر افتاء جائز نہیں ہے۔

امام صاحب سے معارضہ کی بعض صورتوں میں صاحبینؒ کے اقوال کی ترجیح

امام کے قول پر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول کی ترجیح ضروری عارض کی بنا پر ہوتی ہے۔

---

[1] صید الخاطر ص ۱۷۲

مثلاً-۱:- امام صاحبؒ کے مذہب کی دلیل ضعیف ہو۔

۲:- ضرورۃ عام اور تعامل کی وجہ صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جائے۔ جیسا کہ مزارعت اور معاملہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔

۳:- گردشِ ایام عصر اور زمانے کے اعتبار سے اختلاف رونما ہوگیا ہو۔ یعنی اگر امام صاحب بھی صاحبین کے حالات اور تغیر زمانہ کا مشاہدہ کرتے تو ان کی موافقت کرتے۔ جیسا کہ امام صاحب کے زمانہ میں ظاہر عدالت پر فیصلہ کیا جاتا تھا زیادہ چھان بین نہیں کی جاتی تھی۔ اصحاب خیر زیادہ تھے اور صاحبین کے نزدیک ظاہر عدالت کافی نہیں ہے۔

۴:- قضاء کے بعض مسائل میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح اس لیے ہے۔ کہ ان کو اس سے واسطہ پڑا تھا[۱]

تنبیہ

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے اقوال میں معارضہ۔ امام[۲] صاحب کے مختلف اقوال میں ایک کا انتخاب۔ اصول[۳] ائمہ سے غیر ظاہر الروایت کی موافقت و عدم موافقت غیر ظاہر[۴] الروایت کو متاخرین فقہاء کا قبول و عدم قبول مجتہدین[۵] ائمہ احناف کے مراتب کے درجات۔ کتب فتاویٰ اور غیر فتاویٰ کا معیار۔ مفتی کا مجتہدؒ یا مقلد محض ہونا۔ مجتہدؒ کی غیر موجودگی میں افتاء کا معیار۔ امام[۶] صاحب اور دوسرے ائمہ کا فرمان کہ ہمارے قول پر کسی کو فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے یہ بات کہی ہے۔ کی توضیح اور تفصیل۔

یہ باب تفصیل طلب ہے۔ دقیق بھی عمیق بھی صرف اہل علم کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے کسی دوسری مجلس یا وقت کے لیے اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل ہوئی تو حصہ ثانی کے نام سے منصۂ ظہور میں لایا جائے گا۔

---

۵ مجموعہ رسائل ابن نجیم مصری ص۱۱

اصل [illegible] — افتا میں تساہل اور تسامح نہ ہو

فتویٰ میں غفلت اور تسامح سے کام لیا گیا ہو اور نہ اغماض و رواداری کا اس میں عمل دخل ہو اور نہ اس میں رخصت اور جواز کے پہلو تلاش کیے گئے ہوں مستفتی کی رضا جوئی مطلوب ہو اور نہ حیلہ سازی مطمح نظر ہو۔ محض رضائے خدا اور حق طلبی پیش نظر ہو اور یہ کہ احکام خداوندی اس کی مخلوق تک صحیح صحیح پہنچ جائیں۔ اگر ان مقاصد میں خدا نخواستہ ذرا بھی لغزش ہوئی تو اسلامی اقدار پامال ہونگے۔ دین میں استخفاف پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزا کیا جائیگا۔ معصیت پر جرأت بڑھ جائے گی ایسے ہی اختلافی مسائل میں اپنی حسب منشا بلا دلیل کسی قول کو ترجیح نہ دی جائے خواہ اس میں کسی امام کا قول ہی کیوں نہ پایا جائے۔ تاویلات کی فریبکاریوں اور فتاویٰ کی قلابازیوں سے ہمیشہ تشویش میں رہنا چاہیے۔ ترجیح بلا مرجح ممنوع ہے۔ ایسا کرنا اتباع نفس میں داخل ہے اور شرع میں اتباع نفس حرام ہے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام نے جب آپس میں دو جھگڑنے والوں کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے ان کو قضا کا ایک ضابطہ بتلا دیا۔

یا داود انا جعلناك خليفة فى الارض فاحكم بين الناس بالحق ـ ولا تتبع الهوى ـ فيضلك عن سبيل الله ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب ـ

ترجمہ: اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا تو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہش کا اتباع نہ کرو۔ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بے راہ کر دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بے راہ ہو گئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے یوم الحساب کو بھلا دیا[1]

---

[1] سورہ ص رکوع ۲

باوجود عصمت عظمت اور عزیمت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل وانصاف اور ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوائھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک [۱]

ترجمہ: ان میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی مرضی پر نہ چلیں اور ان سے پرحذر رہیں کہ کہیں تجھے بہکا نہ لیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے تجھ پہ نازل کیا ہے۔

المیّہ: تعزیرات ہند میں طرح طرح کی باریکیوں اور موشگافیوں میں مہارت پیدا کرنے کے باوجود حکام اور دفتر کا عملہ شرعی احکام سے ناواقف ہے اور ان میں غفلت برتتا ہے نکاح طلاق پھر تنسیخ جیسے حلال وحرام مسائل میں ان کا طرزِ عمل غیر ذمہ دارانہ ہے۔

مسئلہ: تنسیخ کے باب میں شرعاً ان وجوہ کو مدنظر رکھا جانا چاہیے۔ جن کی بناپر تنسیخ عمل میں لائی جاتی ہے وجوہ تنسیخ مثلاً خاوند کی نامردی، دیوانگی، گمشدگی، اور ضد وعناد ہے کہ وہ نہ حقوق زوجیت ادا کرے اور نہ طلاق پر آمادہ ہو۔ اسی طرح بیوی بھی تنسیخ کا مطالبہ کرے یہ نہ ہو کہ وہ تو خلع کی طالب ہو اور حاکم تنسیخ کر دے۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ تنسیخ کے دعوے میں یوں لکھا جاتا ہے۔ خاوند پٹائی کرتا ہے سخت مزاج ہے اس نے دوسرا نکاح کرلیا ہے مہر کی خطیر رقم اس کے ذمہ واجب الادا ہے ادائیگی میں لیت ولعل کر رہا ہے یہ ہیں دلائل اور دعاوی جن کی بنیاد پر عورت اپنے ماں، باپ یا کسی غیر کی مدد سے اپنے خاوند سے رہائی چاہتی ہے اور اس کے خلاف استغاثہ کیا جاتا ہے فقہاء کرام نے تنسیخ کی چند شرائط بیان کی ہیں۔

۱: - حاکم مسلمان ہو تنسیخ کی وجوہ پر فیصلہ کرنے کا مجاز ہو

۲: - تنسیخ کی وجوہ صحیح ہوں۔

۳: - عورت تنسیخ کا مطالبہ کرے۔

---

[۱] سورۃ المائدہ رکوع

۴ :۔ تنسیخ کا دار و مدار ان اشیاء کو قرار دے جو دعویٰ میں بیان کی گئی ہوں۔
۵ :۔ مدعی کو حاضر عدالت ہونے کا حکم دے اور جواب دعویٰ کے بعد ضدی قرار دے۔

لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ مدعیہ کی بات سن کر عموماً یہ باور کر لیا جاتا ہے کہ عورت مظلوم ہے اس کی اپنے خاوند کو ناپسندیدگی حاکم کے دل میں یہ احساس پیدا کر دیتی ہے کہ وقتی طور پر عورت کے حق میں فیصلہ دیا جائے، حالانکہ اس عارضی خوشی سے بعض دفعہ عاجلانہ فیصلے کے بعد ہمیشہ کے لیے اس کی خانہ بربادی ہی کیوں نہ ہوتی ہو، قواعد وضوابط کی بالاتری کی بجائے حاکم اپنی رائے وقیاس کو دخل دیتا ہے کہ چونکہ ان کے مابین نباہ مشکل ہو گیا ہے لہذا مدعیہ کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے اکثر ایسے ہوتا ہے کہ چونکہ خاوند حاضر عدالت نہیں ہوا یا کسی ایک سماعت میں نہیں آیا تو یک طرفہ کارروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ اسے اس دعویٰ کی اطلاع تک نہ ہو جیسے کہ آج کل سمن غلط بھیجنے کی وبا عام ہے یا یہ کہ خاوند دعویٰ دائر کردہ عدالت کو شرعی عدالت نہ سمجھتا ہو یا اسے کوئی اور عذر درپیش ہو۔ ایسی صورت میں حکام پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جبراً خاوند کے حاضر ہونے کا حکم دیں اور اس سے باز پرس کریں۔ اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ مدعا علیہ نہ تو آباد کرنے پر رضامند ہے اور نہ طلاق دینے پر تو اسے ضدی قرار دیں۔ نباہ مشکل ہونے کی بنا پر خلع کرا دیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ حاضر نہ ہونے کو یک طرفہ کارروائی کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے کہ یہ شخص متعنت (ضدی) ہے لہذا خاوند کی غیر موجودگی میں یک طرفہ کارروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ یک طرفہ کارروائی فقہاء کرام کے ہاں قضاء علی الغائب کہلاتی ہے حنفی مذہب میں یہ ہے کہ اگر کوئی شافعی مذہب کا قاضی اس طرح فیصلہ کرے تو بھی نافذ العمل نہیں ہوگا۔ فتاویٰ شافیہ میں ہے۔

فعلى هذا ما يقع فى زماننا من فسخ القاضى الشافعى بالغيبة لا يصح وليس للحنفى تنفيذه سوا نبى على اثبات الفقرا وعلى عجز المرأة من تحصيل النفقة

منه بسبب غيبته فليتنبه لذلك - ص ۹۰۳ ج ۲

ترجمہ: "لہذا ہمارے زمانے میں شافعی المذہب قاضی خاوند کی غیر موجودگی میں فسخ کا جو فیصلہ کر دیتا ہے وہ صحیح نہیں ہے ایک حنفی المذہب قاضی اسے نافذ نہیں کر سکتا خواہ اس فیصلے کا دار و مدار اس پر ہو کہ وہ تنگدست ہے یا یہ کہ عورت خاوند کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے خرچہ حاصل کرنے سے عاجز ہو اس بات میں ہوشیار ہو جانا چاہیے"

ایک با اختیار حاکم اپنے اختیارات کا جائز اور صحیح استعمال کیوں نہیں کر پاتا۔ مالی معاملات میں معمولی غیر حاضری سے بلا ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے جاتے ہیں، حلال و حرام اور حلالی نسل کے حصول کے لیے ایک دو تاریخ پیشی پر غیر حاضری کے باعث یک طرفہ کارروائی عمل میں لائی گئی" یہ روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ عورت کے لیے خاوند پر خرچ کے آڈر میں تحریر فرماتے ہیں۔

لو طلق امراته عند العدل فغاب عن البلد ولا يعرف مكانه او يعرف لكن يعجز عن احضاره او ان تسافر اليه هي او وكيله، لبعده او لمانع اخر، ص ۶۷۱/۶۷۲ فصل في الحبس ج ۴

ترجمہ: "خاوند نے اگر اپنی عورت کو کسی اچھے آدمی کے پاس ٹھہرایا اور شہر سے باہر چلا گیا۔ اس کی رہائش کا پتہ نہ ہو اور اگر پتہ ہو لیکن اس کے حاضر کرنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ بلکہ مجبوری ہو اور نہ عورت اس کے پاس جانے کے لئے سفر کر سکتی ہو اور نہ اس کا وکیل۔ وہ دور رہتا ہو۔ یا کوئی اور مانع درپیش ہو۔"

دیکھیے بیوی پر خرچ کے باب میں اتنی شرائط و قیود لگائی گئی ہیں تاکہ خاوند کی غیر موجودگی میں اس پر ظلم نہ ہو۔ ایک شرط یہ بھی بتائی کہ (لكن يعجز عن احضاره) لیکن خاوند کو حاضر عدالت کرنے میں مجبوری اور لاچاری ہو۔ غور طلب یہ امر ہے کہ خاوند کو کس نے حاضر کرنا تھا اور حاضر کرنے میں کون مجبور و لاچار ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ حکومت اور حاکم کا کام تھا۔ جب حکومت اپنے وسائل سے خاوند کو حاضر عدالت کرنے میں

ناکام رہے تو پھر اس کی صورت یہ ہوگی۔

وینبغی عن الغائب وکیل یعرف انه یراعی جانب الغائب ولا یفرط فی حقه۔ شامیه ج ۴ ص۴۷۱۔

ترجمہ: ایسے چاہیے کہ خاوند غائب کی طرف سے ایک وکیل مقرر کیا جائے جس کے متعلق علم ہو کہ وہ خاوند کی رعایت ملحوظ رکھے گا اور اس کے حق میں زیادتی نہیں کرے گا۔"

کس قدر احتیاط برتی گئی ہے اگر خاوند کی حاضری کی تمام ممکنہ صورتیں کالعدم ہوجائیں تو پھر خاوند کی طرف سے حکومت ایک وکیل مقرر کرے گی جسے وکالت کا حق سپرد کیا جائے گا۔ وکیل کی بحث وتمحیص کے بعد خاوند پر خرچ کی ڈگری کی جاسکے گی۔ لیکن ہمارے ہاں وارنٹ کے ذریعے احضار پر قدرت کے باوجود دانستہ طور پر فسخ کی جاتی ہے۔ حلال وحرام اور حلال النسل جیسے عظیم مسئلہ سے صرف نظر کی جاتی ہے

والی اللہ المشتکی وہو المستعان

موجودہ عدالتوں کی آخری کوشش

پیا دے بھیج کر مدعا علیھم کے دروازوں پر اعلان چسپاں کر دینے اور اخبارات میں اشتہار نوٹس دینے میں آخری ہمت صرف کی جاتی ہے کہ فلاں تاریخ کو حاضر عدالت ہوجاؤ ورنہ تمہارے خلاف یک طرفہ کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔ لیکن اس تجویز میں بھی اصل مشکل قضاء علی الغیب کے عقدے کا حل نہیں ہے۔

قاضی خان میں ہے۔ ولو کان رجلا جاء بکتاب بالقاضی فقیل ان یسمع القاضی شهادة الشهود علی الکتاب تواری الخصم فی البلد قیل علی قول ابی یوسف یبعث القاضی منادی ینادی علی بابه ثلثة ایام اخرج وان لم تخرج نصبت منك وکیلا وقضیت علی الوکیل وعامته المشائخ لم یصححوا هذا القول۔ ج ۳ ص۵۶۰

" اگر ایک قاضی کا دوسرے کے پاس فیصلہ آجائے فیصلے پر سماع شہادت سے پہلے مدعا علیہ چھپ جائے تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر ایک منادی بھیجے گا جو تین دن ان کے دروازے پر حاضر ہو جاؤ ورنہ میں تیری طرف سے ایک وکیل مقرر کر کے اس پر اپنا فیصلہ صادر کر دوں گا لیکن اکثر مشائخ (اہل فتویٰ) نے اس قول کو صحیح نہیں سمجھا "

غور فرمائیے ایک طے شدہ کاروائی زیر سماعت ہے اس میں بھی اگر مدعی علیہ چھپ جائے قصداً حاضر عدالت نہ ہو تو بھی حاکم مجبور ہے پہلی سماعت پر یا اس کی غیر موجودگی میں شہادت لے کر فیصلہ نہیں کر سکتا۔

طلاق ثلاثہ : طرفہ یہ کہ دفاتر میں عرضی نویس جس سے طلاق نویسی کا کام لیا جاتا ہے ان کا مبلغ علم یہ ہے وہ سہ طلاق ایک دو تین کر دیتے ہیں اس کے ساتھ ہر قسم کے غلیظ الفاظ "حرام" " تو مجھ پر ماں بہن ہے وغیرہ ملا دیتے ہیں تحریر طلاق کے بعد طلاق دہندہ حضرات جب مفتی سے یا شرعی قاضی سے رجوع کرتے ہیں اور حقیقت حال کا پتہ چلتا ہے تو پھر دم بخود ہو جاتے ہیں خیال فرمائیں ۔ نص کے خلاف مفتی یا قاضی انہیں اس مخمصہ سے کیسے نکال سکتا ہے پھر خاوند کو یا تو دانستہ حرام کاری کا راستہ دکھائی دیتا ہے یا مذہب کی تبدیلی پر بھٹکنا پڑتا ہے ۔

اعاذنا الله تعالیٰ عن تبدیل المذهب لاتباع الهوی۔

• ان عرضی نویس حضرات سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے ارے پڑھے لکھے شاطر د تمہاری کیا سزا ہونی چاہیئے کہ تمہارے ہاتھوں کی لکیر سے چند ٹکوں کی خاطر کتنے بھائیوں کی جان و مال کی تباہی و بربادی آخر کس کی بھینٹ چڑھے گی ۔

فویل لهم مما کتبت ایدیهم و ویل لهم مما یکسبون۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں ۔ آپ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ

میں نے خیال کیا آپ اسے اس کی بیوی واپس کرنے کا حکم دے دیں گے ۔ تو آپ نے فرمایا ایک شخص اپنی مرضی کرتا ہے ۔ حماقت پر سوار ہو جاتا ہے اور (بدحواس ہو کر) اے ابن عباس ابن عباس ۔ کہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ۔

ترجمہ : جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے خلاصی پیدا کر دیتے ہیں ۔

اے شخص تو نے تو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا، مجھے تیرے حق میں خلاصی کا علم نہیں ہے ۔

عصیت ربك وبانت منك امرأتك ۔ تو نے ربّ کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے بائن ہو گئی ۔ یعنی مطلقہ پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئی ہیں اور وہ اپنے خاوند پر مغلظہ طور پر حرام ہو گئی ہے اور یہ حکم نافذ العمل ہے ۔ اس سے کوئی خلاصی نہیں ہے ۔ اور اس کی تلافی ممکن نہیں ہے ۔ طلاق دینے سے قبل اس مشکل میں اہل علم سے مشورہ کیوں نہیں کر لیا گیا[1]

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ دیکھئے کہ نکاح تو صرف ایک دفعہ ایجاب وقبول سے مکمل طور پر منعقد ہو جاتا ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے درجات نہیں رکھے ۔ لیکن انعقاد کے بعد نکاح سے انقطاع اور انخلاع کے درجات مقرر کیے گئے ہیں ۔

۱ :۔ رجعت جس طلاق میں خاوند رجوع کر سکتا ہے ۔

۲ :۔ بائن جس میں دوبارہ تجدید نکاح ہو سکتی ہے ۔

۳ :۔ مغلظہ جس میں دوبارہ تجدید نکاح نہیں ہو سکتا سوا حلالہ شرعیہ کے مطلقہ کو اپنے عقد میں لانے کی کوئی صورت نہیں ہے ۔

شیخ ابو الفرج ابن جوزیؒ فرماتے ہیں

فالویل لعامی قلیل العلم لایھتم نفسہ فی واقعۃ

ولا يذاكر من هو اعلم منه بل يقطع بظنه ويقدم
وهذا اصل ينبغي تأمله فقد هلك في اهماله خلق
لا تحصى وقد رأينا خلقا من العوام اذا وقع لهم واقعة
لم يقبلوا فتوى " وجوه يومئذ عاملة ناصبة تصلى
نارا حامية "[1]

ترجمہ: افسوس تو ان کم علم عوام پر ہے۔ جو شرعی واقعہ کا اہتمام نہیں کرتے اور اپنے سے زیادہ عالم سے مذاکرہ تک نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے خیال میں ایک فیصلہ کرکے اقدام کرتے ہیں یہ ایک بنیادی بات ہے جس میں غور وفکر کرنا چاہیے۔ اسے مہمل چھوڑ کر بہت سی مخلوق ہلاک ہوگئی۔

ہم نے بہت سے عوام کو دیکھا کہ .... جب انہیں کوئی مہم پیش آتی تو وہ لوگ فتویٰ کو قبول نہیں کرتے۔

"کئی چہرے اس روز مشقت میں پڑے تھکے ماندے گرم آگ میں داخل ہوں گے"

سبق آموز فتویٰ

مفتی کو مستفتی کے مناسب حال کہ جس سے اس کی اصلاح ہو اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی عظمت وعزت۔ ہیبت اور حشمت اس کے دل میں قائم ہو۔ اپنے فتویٰ میں وہی قول اختیار کرنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں امام یحییٰ معمودی کا سبق آموز فتویٰ جو تواریخ میں نقل کیا گیا ہے نہایت ہی اہم ہے۔

" علامہ مقری نے امام یحییٰ کے ایک فیصلہ (فتویٰ) کی مثال دی ہے فرماتے ہیں

---

[1] صید الخاطر ص۵

عبدالرحمٰن ثانی نے جو اس وقت کی دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ رمضان کا ایک روزہ قضا کیا۔ نیک نفس بادشاہ نے اپنی اس کوتاہی کی کیفیت علماء کے سامنے پیش کی۔ حضرت امام یحییٰ نے جو علماء کے بورڈ کے صدر تھے۔ فتویٰ دیا۔ بادشاہ اس قصور و کوتاہی پر ساٹھ روزے رکھے ایک اور عالم نے جو اس موقعہ پر موجود تھے باہر آکر امام یحییٰ سے کہا حضور؟ شریعت کی طرف سے اس بات کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ کہ روزہ قضا کرنے کے جرم میں ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جاتا۔ آپ نے بادشاہ سے روزہ رکھوانے کے حکم کی بجائے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا؟

امام یحییٰ نے بڑے غصہ کے ساتھ اس شخص کو دیکھا اور فرمایا بادشاہوں کے لیے ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلا دینا کوئی سزا نہیں ہے۔

تاریخ اندلس کہتی ہے کہ عبدالرحمٰن ثانی نے امام یحییٰ کے فتویٰ کی بنا پر ساٹھ پے درپے روزے رکھے اور پیشانی پر بل نہیں لایا اور نہ امام یحییٰ کی حکم عدولی کا خیال دل میں پالا۔[1]

تساہل پر مبنی ایک فتویٰ پر شیخ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی کا رد

رائیت بعض المتقدمین سئل عمن یکتسب حلالاً وحراماً من السلاطین والامراء ثم یبنی المساجد والاربطة، هل له فیها ثواب، فافتی بما یوجب طیب قلب المنفق۔ وان له فی انفاق ما لا یملکه نوع سمسرة لانه لا یعرف اعیان المغصوبین فیرد۔

ترجمہ: متقدمین علماء میں سے بعض کو میں نے دیکھا کہ ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ

---

[1] حکمران مسلمان ص۱۵/۱۴ بحوالہ نفح الطیب جز اول ۱۶۲ - ۳۶۸

بادشاہ یا امراء حلال اور حرام مال کی کمائی سے مساجد اور خانقاہ تعمیر کراتے ہیں کیا اس میں ان کو ثواب ملے گا۔ ان کے فتویٰ میں مذکورہ بالا تعمیر پر خرچ کرنے والے کی طیب خاطر کو ملحوظ رکھا گیا۔ جواب یہ تھا کہ چونکہ یہ شخص غاصب ہے مالک نہیں ہے اور مخصوص مالکوں کو پہچانتا بھی نہیں ہے یہ مال مالکوں کو رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک قسم کی دلالت علی الخیر ہے

فقلت : وا عجباً ۔ امن متصدین للفتوی لایعرفون اصول الشریعۃ ۔ ینبغی ان ینظر فی حال المنفق اولا ،

میں نے کہا ۔ کیا عجیب ہے ۔ ایسے مفتی حضرات ۔ جو اصول شریعت سے ہی ناواقف ہیں سب سے پہلے ایسی تعمیر پر خرچ کرنے والوں کے حال کو دیکھا جانا چاہیے ۔

اس کے بعد شیخ رح نے کہا ہے ۔ اس سلسلہ میں تین چیزیں اصولی حیثیت رکھتی ہیں جب ان کی تنقیح نہ کی جائے اس وقت تک علی الاطلاق فتویٰ دینا اسی طرح گناہ ہے ۔ جس طرح مسلمانوں کے مال میں ناحق بغیر معاوضہ عمل کے اپنے لیے کچھ مال مخصوص کرنے والا گنہگار ہے ۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں ۔

۱ :۔ مدآت ۔ مال کہاں سے حاصل ہوا ۔

۲ :۔ قواعد وضوابط یعنی براہ راست یا بالواسطہ اختیارات کا دائرہ حدود کیا ہے ۔

۳ :۔ مصارف یعنی بیت المال میں مقررہ معروف مصارف کیا ہیں ۔ فرماتے ہیں ۔

اگر بادشاہ مساجد اور خانقاہوں کی تعمیر کرنا چاہتا ہے ۔ تو ایسی صورت میں یہ مال بیت المال کا ہوگا ۔ بیت المال کے مصارف معروف ہیں مستحقین کی موجودگی میں یہ مال غیر ضروری مدآت مدرسہ اور خانقاہ پر کیسے خرچ کیا جا سکے گا ۔

اور اگر یہ لوگ امراء اور نواب ہوں ۔ تو اس مال کا جو ان کے پاس سرکاری طور پر جمع ہو وہی مصرف ہوگا جو بیت المال کا مصرف ہے ۔ ان کو صرف مقررہ وظیفہ بطور تنخواہ ملے گا ۔ ان کا اس مال کو دوسرے مدآت میں خرچ کرنا بے جا اور غیر محل میں ہوگا ۔

البتہ بشرط اجازت بقدر اجازت تصرف جائز ہوگا۔ لیکن جو شخص بغیر معاوضہ عمل مقررہ تنخواہ کے علاوہ اپنے لیے کچھ مال مخصوص کرے گا تو یہ مسلمانوں کا مال ہوگا۔ جس میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

جو مفتی یا قاضی علی الاطلاق ان لوگوں کو اس کی اجازت دے گا وہ بھی ویسا ہی گنہگار ہوگا۔

بیت المال میں تصرف کرنے کی مذکورہ بالاتفصیل اس وقت سے جبکہ یہ مال شک و شبہ سے پاک اور اس میں تصرف کرنا جائز ہو۔

لیکن حرام یا غصب کے مال میں تو ہر قسم کا تصرف بھی حرام ہے۔ اصل مالکوں یا ان کے وارثوں کو اس مال کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر واپس کرنے کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آئے تو یہ مال مسلمانوں کے مال میں جمع کیا جائے گا۔ اسے عام مصلحتوں میں اور صدقہ کی مدّات میں خرچ کیا جائے گا۔ اس سے نفع اٹھانے والا اور اس کو حاصل کرنے والا بھی اس کی نحوست سے متاثر ہوگا۔

حرام اور غصب مال کے بارے میں مذکورہ بالاتفصیل کے الفاظ یہ ہیں۔

فاما اذا کان حراما او غصبا فکل تصرف فیہ حرام والواجب ردہ علی من اخذ منہ او علی ورثتھم۔ فان لم یعرف طریق الرد کان فی بیت مال المسلمین، یصرف فی مصالحھم، او یصرف فی الصدقۃ ولم یحظ اخذہ بغیر الاثم۔

استشہاد اور استناد میں شیخ نے اپنی سند سے ایک حدیث بیان کی ہے اس کا متن یہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکتسب مالا من مأثم، فوصل رحما، او تصدق بہ، او انفقہ فی سبیل اللہ، جمع ذلک جمیعا نقذف بہ فی جھنم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص گناہ سے مال حاصل کرے

اس سے صلہ رحمی کرے یا صدقہ کرے یا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس سب مال کو جمع کرکے اس شخص کے ساتھ اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اس تفصیل کے بعد شیخ رحؒ نے تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھایا ہے اور حلال کمائی کا صحیح مصرف بھی بتلایا ہے۔

فاما اذا کان الباني تاجرا مکتسبا للحلال فبنی مسجدا او وقف وقفا للمتفقه فهذا مما یثاب علیه[1]

ترجمہ: لیکن جب (مسجد یا مدرسہ کا) بانی تاجر اور حلال کمائی کرنے والا ہو وہ مسجد تعمیر کرے یا کسی فقیہ کے لیے وقف کرے تو یہ کار ثواب ہے۔

اصل ششم — فتویٰ میں تشدد اور سختی نہ ہو

فتویٰ میں تشدد بھی ایسے ہی مضر ہے جیسا کہ تکاسل۔تساہل اور روا داری مضر ہے مفتی کسی سے کد رکھتا اور نہ شخصی نفرت سے متہم ہو ورنہ اس کا فتویٰ معتبر نہیں ہوگا۔

تشدد سے دین سے نفرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ نفرت بغاوت تک پہنچا دیتی ہے۔ دین سے قریب کرنے کی بجائے تشدد و کفر کی سرحد تک پہنچا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یسروا ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا[2]

ترجمہ: (خلق خدا کے ساتھ) آسانی کرو تنگی نہ کرو خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

ا:- یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[3]

---

[1] صید الخاطر ص ۲۹۹

[2] بخاری عن انس کتاب العلم ج ۱ ص ۱۶

[3] سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۲

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے (احکام میں) تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ فرمایا ہے اور تکلیف کا ارادہ نہیں کیا۔

۲:۔ ھواجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ ملۃ أبیکم ابراھیم[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہیں (اس امت کو) چن لیا اور دین کے بارے تم پر کوئی مشقت اور حرج نہیں ڈالی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو۔

(یعنی یہ فطری دین ہے اس میں ہر طرح کی سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے)

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ مشہور ہے۔ کہ جس نے ننا وے قتل کئے تھے وہ راہب کے پاس آیا اور اپنی توبہ کے بارے دریافت کیا۔ اس نے نفی میں جواب دیا تو قاتل نے اسے قتل کر کے سو کا عدد پورا کر لیا[1]

قتل کا المیہ تشدد پر مبنی فتویٰ کی وجہ سے پیش آیا۔ یہ اس راہب کی لاعلمی اور جہالت کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ امر واقعی میں یہ تشدد خدا تعالیٰ کو پسند نہیں تھا۔

اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ جو سفر میں زخمی ہو گیا اور احتلام کی وجہ سے اسے غسل کرنا پڑ گیا۔ اس نے اپنے رفقاء سے تیمم کی رخصت کے بارے مسئلہ دریافت کیا انہوں نے کہا پانی کی موجودگی میں تیرے لیے تیمم کا جواز نہیں ہے۔ بالآخر اس نے غسل کیا اور مر گیا حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔

قتلوہ قتلھم اللہ ألا سألوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السوال انما کان یکفیہ ان یتیمم ویعصب علی جرحہ خرقۃ ثم یمسح علیھا ویغسل سائر جسدہ[2]

ترجمہ: جب وہ علم نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے علماء سے دریافت کیوں نہیں کیا

---

[1] مشکوٰۃ شریف بروایت بخاری ومسلم ص۲۰۳

[2] مشکوٰۃ بروایت ابو داؤد اور ابن ماجہ عن ابن عباسؓ ج ۱ ص ۵۲

اللہ انہیں مارے انہوں نے تو اسے قتل کر دیا سوال کر لینا ناواقف کی دوا ہے اسے اتنی بات کافی تھی کہ وہ تیمم کر لیتا اور زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کر کے باقی جسم کو دھو لیتا۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

عابهم عليه الصّلاة والسلام بالافتاء بغير علم وألحق بهم الوعيد بأن دعا عليهم لكونهم مقصرين في التأمّل في النص وهو قوله تعالیٰ ما يريد الله ليجعل عليكم في الدين من حرج [1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر گرفت فرمائی کہ بغیر علم کے انہوں نے فتویٰ دیا اور سخت وعید سنائی ان پر بددعا کی کیونکہ انہوں نص میں غور و فکر کی بجائے کوتاہی سے کام لیا۔ اللہ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ نہیں فرمایا کہ تمہیں تکلیف اور مشقت میں ڈال دیں۔

اس فتویٰ کے نتیجہ میں مستفتی کی ایک قیمتی جان تلف ہوگئی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ غلط فتویٰ خود مفتی کی جان تلفی پر بھی منتج ہوتا ہے۔

اعاذنا الله تعالیٰ من الجرأة على الله في التشديد والافتاء بغير علم۔

اصل ہفتم — نرمی اور اعتدال

دین اور دنیا کے تمام امور کی اصلاح کا راز اس میں مضمر ہے۔ کہ ہر شے میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ افتاء کیلیے چاہیے کہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بغور نظر کر کے وسعت کا پہلو اختیار کیا جائے جس میں خلق خدا کا نفع ہو۔ سہل اور آسان ہو۔ بشرطیکہ اس میں

---

[1] مرقات ج ۲ ص ۸۹

کوئی محظور نہ پایا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہر ہر پہلو میں برابر پائی جائے اور اس اعتبار سے کہ وہ اپنی مخلوق پر رحیم اور کریم ہے ۔ نرمی اور اعتدال کو پسند فرماتا ہے رخصت پر عمل کرنا زیادہ خوشنودی کا باعث ہو ۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب ان تؤتی بالرخصۃ کما یحب ان تؤتی عزائمہ وقال صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بالحنفیۃ السمحۃ ولم ابعث بالرھبانیۃ الصعبۃ[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رخصت پر عمل کرنے کو بھی ایسا ہی پسند کرتے ہیں جیسا کہ عزیمت کے کاموں پر عمل کرنے کو پسند کرتے ہیں نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں فطری اور وسیع شریعت کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں ۔ رہبانیۃ جیسے شاق اور سخت اعمال کے ساتھ مبعوث نہیں ہوا

امثلہ وشواہد ا :۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک فوجی دستے کے ساتھ جہاد کے لیے بھیجا ۔ ہم سب لوگ مقابلے سے بھاگ نکلے ۔ مدینہ منورہ آئے اور چھپ کر رہ گئے ۔ کہا ہم تو ہلاک ہو گئے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور (معذرت کے طور پر) کہا کہ ہم بھگوڑے ہیں ۔ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارا لشکر ہوں ہم آپ کے قریب ہوئے اور دست بوسی کی ابو داؤد[2]

اہل علم جانتے ہیں ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو آیت وعید کی استثنائی صورت میں داخل کر لیا یعنی آپ لوگ جنگ سے بھاگنے والوں کی فہرست میں شامل نہیں ہیں ۔ بلکہ محاذ اور مورچہ بدلنے والوں کی طرح دوبارہ لڑنے

---

[1] المبسوط ج ۳۰ ص ۲۸۶

[2] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۴۲

کی غرض سے لشکر اسلام کی طرف لوٹنے والوں میں ہو۔ یہ تاویل حق ہے۔ بلکہ زیادہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کفار کے مقابلے میں دوبارہ لڑائی کا اعلان ہے۔

۲ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ تک ایلاء کیا یعنی قسم کھا لی کہ تم سے الگ رہوں گا۔ بالا خانہ میں تشریف لے گئے پھر انتیس ۲۹ دنوں کے بعد اتر آئے صحابہ کرام رض نے عرض کی آپ نے تو ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا۔ جواباً آپ نے فرمایا ان الشھر یکون تسعا وعشرین۔ یعنی مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے [لہ]۔ یہ نہیں تھا کہ آپ نے جس ماہ ایلاء کیا تھا وہ انتیس ۲۹ کا تھا۔ یہ تو تب ہوتا کہ چاند کی پہلی تاریخ کو ایلاء کیا ہو۔ بلکہ آپ نے انتیس ۲۹ دن پورے کئے جن پر شہر کا عربی لفظ صادق آتا ہے۔ آپ نے اپنے احباب اور بیویوں سے اپنی جدائی کے ایک دن کو بھی شاق سمجھا۔ سہل اور آسان صورت کو اختیار فرمایا۔

تکفیر میں احتیاط

طبقات امت کی اصلاح کے سلسلہ میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اہل اسلام کی تکفیر کرنا ائمہ ضلالت اور بدعت کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔ یہ ان کا ایک اوچھا ہیتھار ہے۔ وہ ہر اس طبقے یا اشخاص کے خلاف اسے استعمال کرتے ہیں جو فروع میں ان کا مخالف ہو۔ یہ فتنہ اس امت میں اب بہت پھیل چکا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رح اپنی فراست ایمانی سے بہت پہلے اس فتنہ کی شرانگیزیوں کو تاڑ گئے تھے۔ اس کے مقابلے میں آپ نے بہت سعی فرمائی اور اپنے متبعین کو احتیاط کا حکم دیا۔

آپ کے تلمیذ خاص ابو مطیع بلخی رح کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رح نعمان بن ثابت سے

لہ بخاری ج ۲ صـ ۷۹۶

دریافت کیا کہ فقہ اکبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

لا تکفر احدا بذنبہ ولا تنف احداً من الایمان[1]

ترجمہ: کسی کی اس کے گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرو۔ اور نہ اس کے ایمان کی نفی کرو۔

فمن عیوب اہل البدع تکفیر بعضھم بعضاً ومن ممادح اہل العلم انھم یخطئون ولا یکفرون[2]

۳:- ۱۳۹۳ھ میں ایک استفتاء پیش ہوا کہ امام کو سہو پڑ گیا۔ بھولے سے وہ سجدہ سہو بھی نہیں کر سکا۔ نماز کو لوٹایا۔ اس دوسری نماز میں وہ لوگ شریک ہو گئے جو پہلی جماعت میں نہ تھے۔ کیا اس دوسرے شخص کی فرضی نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں۔

اس سوال کے مختلف جواب سامنے آئے۔

ا:- مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ تحریر فرماتے ہیں۔

چونکہ پہلی نماز میں فرضیت ادا ہو گئی۔ فرضیت کا حکم (یعنی ذمہ) ساقط ہو گیا۔ اگرچہ اعادہ اپنے طور پر واجب ہو گا لیکن باہر سے آنے والا شخص اس امام کے پیچھے فرض پڑھیگا۔ تو اس کے فرض ادا نہ ہوں گے[3]۔

۲:- مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

کہ باہر سے آنے والے شخص کی فرضی نماز ادا ہو جائے گی۔

ان کا استدلال یہ ہے۔ شامی میں ہے۔

اگر ولی نے نماز جنازہ کا اعادہ کیا تو اس سے فرضیت ادا ہو جائے گی اور جو پہلے غیر ولی نے نماز پڑھائی ہے۔ یہ اس کے لیے مکمل ہو گی[4]۔

---

[1] نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر ص۸۹ طبع مجلس علمی کراچی

[2] منہاج السنہ ج ۲ ص۶۳

[3] فتاویٰ دار العلوم جدید ج ۳ ص۳۱۷

[4] باب الجنائز امداد الفتاویٰ ج اول ص۲۳۴

حضرت شیخ استاذ مولانا صوفی عبد الحمید صاحب مدظلہ العالی کے ایک جملہ سے میرا تردد رفع ہوگیا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جو صورت ارفق للمسلمین ہو فتویٰ میں اسی کو اختیار کرنا چاہیے ۔"

اس کے بعد دیکھا تو علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ کو دوسرے مقام پر اتنی بسط وشرح سے لکھا کہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہا ۔ جس کا حاصل یہ ہے ۔

اعادہ کا لفظ بتاتا ہے ۔ کہ اس نے اس دوسری نماز میں فرضیت کی نیت کی ہے۔ اعادہ کے معنی بعینہ ایک چیز کو دوبارہ کرنا ۔ اب جو لوگ اس دوسری نماز سے فرضیت کو ساقط سمجھتے ہیں ۔ پھر تو اس کی فرضیت میں کوئی کلام نہیں ہے ۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اعادہ سے تلافی مافات مراد ہے ۔ تو اس اعتبار سے پہلی نماز فرض ناقص ہوگی اور دوسری نماز فرض کامل ۔ معاً اس میں وصف کمال کی زیادتی بھی پائی جائے گی ۔

اعادہ کی فرضیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی نماز سے فرضیت ساقط نہ ہو کیونکہ پہلی نماز کی فرضیت اس وقت تک قائم رہتی ہے ۔ جب تک کہ اس کا اعادہ نہ کیا جائے ۔ اعادہ کے بعد فرضیت اس دوسری نماز کی طرف لوٹ آتی ہے اور اعادہ سے قبل فرضی نماز وہی پہلی ہوتی ہے ۔ القصہ پہلی نماز کی فرضیت کا حکم اعادہ نہ کرنے پر موقوف ہے۔

ولہ نظائر

آخر بحث میں تحریر فرماتے ہیں ۔

هذا آخر ما تحرر لی من فتح الملك الوهاب فاغتنمه فانه من مفردات هذا الكتاب والله تعالیٰ اعلم بالصواب[1]

ظاہر ہے کہ جب فرضیت دوسری نمار کی طرف لوٹ آتی ہے اور وصف کمال بھی پایا جاتا ہے ۔ تو ہر نو وارد کی نماز بھی اس سے ادا ہو جائے گی ۔

---

[1] شامی طبع مصر ج ۱ ص ٦٧٩

۴:۔ دوسرا واقعہ | ۱۳۹۳ھ میں راقم الحروف سے دریافت کیا گیا۔
کہ ایک شخص کے پاس کسی کی منکوحہ بطور داشتہ سکونت پذیر رہی جس سے اس کی اولاد ہوئی۔ اب خاوند فوت ہو گیا۔ اس عورت نے اس دوسرے سے اس کی موت کے بعد نکاح کر لیا۔

از روئے حدیث الولد للفراش و للعاھر الحجر۔ یہ اولاد نکاح والے کی ہوگی یا دوسرے شخص کی ہوگی۔ اس مرنے والے کی وراثت میں۔ ان کو حصہ ملیگا یا نہیں۔
اس سوال میں اصل اشکال الولد للفراش سے پیدا ہو رہا ہے۔ یعنی اولاد نکاح والے کی ہوگی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول پر مبنی فراش کا مفہوم وسیع ہے ان کے قول پر فتویٰ دینا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بیوی بھی مرنے والے کی اغوا ہوئی اور اس کی جائداد بھی غیر اولاد کو مل جائے تو یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ اپنے شیوخ کے مشورہ شرح وہبانیہ کی فقہی روایت جو درمختار میں مذکور ہے۔ فتویٰ میں اختیار کیا۔

وفی شرح الوھبانیۃ لو زنت المرأۃ لا یقربھا زوجھا حتی تحیض لاحتمال علوقھا من الزنا فلا یسقی ماءہ زرع غیرہ فلیحفظ لغرابتہ

امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ کہ ثبوت نسب کے لیے یہ ضروری ہے۔ مظنہ مباشرت پایا جائے۔

المسئلۃ کما علمت منصوص علیھا فی کلام الشافعی رضی اللہ عنہ واصحابہ رحمھم اللہ تعالیٰ ....
وفسر شراحہ ..... زمن الامکان بما یعلم منہ ان تکون ولادتہ لاقل مدۃ الحمل والزوج ممن یحبل

ج ۲ ص ۸۴۶ علی ھامش الشامی

وامكن اجتماعه بالزوجة بعد العقد[1]

یعنی امام شافعیؒ کے کلام میں یہ مسئلہ بطور نص کے موجود ہے اور آپ کے تلامذہ کے کلام میں بھی موجود ہے کہ

"ثبوت نسب کے لیے کم ازکم مدت حمل کا امکانی زمانہ پایا جائے۔ خاوند بھی ایسا ہو جو حاملہ کر سکتا ہو اور نکاح کے بعد خاوند کے بیوی کے ساتھ ملاپ کے عادی امکانات پائے جاتے ہوں

حاصل جواب یہ ہے۔

اغوا کے بعد کی اولاد مزنیہ کی ہوگی۔ خاوند کے ساتھ اس کا الحاق نہیں ہوگا۔ نہ ہی وہ اس کی وارث بنے گی۔

عورت اپنے خاوند سے صرف دور نہیں رہی کہ بعد مکانی ہو بلکہ غیر آدمی کے تصرف میں رہی ہے۔

<u>اخلاق حسنہ</u> صاحب فتویٰ کو چاہیے کہ سائلین سے بشاشت طبع سے پیش آئے۔ خوش خلقی کا اظہار کرے مستفتی کی درشتی کی پرواہ نہ کرے اور لاعلمی کی وجہ سے غیر متعلق طویل بیان پر ناراضگی کا اظہار نہ کرے بلکہ احسن طریقہ سے اسے سوال کا ضروری حصہ سمجھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔

خُذ العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاهلين[2]

ترجمہ: عفو کو پیشہ بنالو نیک بات کا حکم کرو اور جاہل لوگوں سے درگذر کرو۔

اعتدال طبع کے وقت مستفتی کی بات سنے اور فتویٰ لکھے تشویش یا کسی اہم شغل میں صحیح طور پر بات سمجھنا اور اس مفید اور جواب باجواب لکھنا دشوار ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مستفتی۔ مفتی اور خلق خدا سب کو نقصان میں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

---

[1] فتاوی ابن حجر مکی شافعیؒ ج ۴ ص ۲۰۴

علامہ شاطبیؒ کا جامع کلام جو افتا میں انواعِ ثلثہ تساہل، تشدد اور تخفیف کے حسن اور قبح پر مشتمل ہے۔

درجہ علیا پر سرفراز کامل مفتی کی علامت یہ ہے۔ کہ وہ لوگوں کو معروف معتدل راہ پر لگاتا ہے۔ جو راہ کہ عامۃ المسلمین کے لیے قابل عمل ہے۔ ان کے ساتھ شدت کی راہ اختیار کرتا ہے اور نہ جواز اور رخصت کا پہلو اپناتا ہے۔

اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ یہی راہ توسط اور اعتدال کی راہ ہے اور صراط مستقیم ہے جو شریعت مقدسہ لائی ہے۔ مکلف انسان سے شارع کا مقصود اور مطلوب بھی یہی ہے کہ اسے افراط و تفریط کے بغیر معتدل راہ پر لگایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء راسخین کے ہاں معتدل مذہب سے خروج قابل مذمت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور طور وطریقے سے یہی مسلک مفہوم ہوتا ہے۔

نظائر ۱:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل پر نکیر فرمایا۔ کہ ایک شخص معاشرہ اور آبادی سے الگ ہوکر زندگی بسر کرے۔

۲:- (الف) افتّان انت یا معاذ۔ معاذ کیا تو فتنہ پرداز ہے۔

(ب) انّ منکم منفّرین ۔ تم میں سے بعض لوگ نفرت پیدا کرنیوالے ہیں۔

یہ اس وقت کہا جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے طویل نماز پڑھائی۔

۳:- علیکم من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا۔

تم اتنا عمل کرو جتنی کہ تمہیں طاقت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ہی تھک جاؤ گے۔

۴:- احب الاعمال الی اللہ ما دام علیہ صاحبہ وان قل

محبوب عمل یہ ہے۔ کہ عامل اس پر دوام کرے یعنی ہمیشہ عمل کرتا رہے۔

۵ :- وصال کے روزے کی اجازت طلب کرنے پر انکار فرمایا۔

" وکثیر من ھذا "

نیز اطراف کو اختیار کرنا عدل سے خارج ہے۔ اور نہ ہی اس سے خلق خدا کی مصلحت وابستہ ہے۔

فتویٰ میں سخت روی اور تشدد تو نہایت مہلک ہے۔ رخصت اور اجازت کا پہلو بھی ایسے ہی غیر مفید ہے۔

کیونکہ اگر مستفتی کو سختی اور حرج پر مبنی فتویٰ دیا جائے گا تو اس کے دل میں دین کا بغض پیدا ہو جائے گا اور آخرت کی راہ پر چلنے سے یہ طریقہ آخرت سے انقطاع پر منتج ہوگا۔

(وھو مشاھد)

اور جب جواز اور رخصت کا پہلو اختیار کیا جائے گا۔ تو خواہش اور شہوت پرستی میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ حالانکہ شرع کی آمد کا مقصود یہی ہے کہ خواہش نفسانی سے اجتناب کیا جائے۔

خواہش پرستی کا اتباع مہلک ہے۔

(والادلۃ کثیرۃ)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رخصت اور سہولت کا ترک کرنا تشدید ہے۔ یہ لوگ رخصت اور تشدید کے درمیان واسطہ تسلیم نہیں کرتے۔

"یہ غلط ہے"۔

الحاصل راہ توسط پر شریعت میں بڑے بڑے امور پائے جاتے ہیں توسط معظم شریعت ہے اور اصل کتاب اللہ۔

جو شخص موارد احکام شرعیہ میں تتبع اور استقرار کے ذریعہ تامل سے کام لے گا وہ بخوبی اس پر مطلع ہوگا۔

واسطہ نہ ماننے والی غلطی میں اکثر وہ لوگ مبتلا ہیں جو قلیل العلم بالتکلف علم کی

طرف منسوب ہیں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ فتویٰ میں ایسا قول اختیار کیا جائے جو مستفتی کی خواہش کے موافق ہو۔ اس خیال سے کہ اس کی مرضی کے خلاف دوسرے قول پر فتویٰ دینا اس پر سختی اور حرج کا موجب ہے۔ اختلاف امت اسی وجہ سے باعث رحمت ہے۔ کہ سہل قول تلاش کیا جائے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ تشدید اور تخفیف میں کوئی واسطہ نہیں ہے یہ رویہ شریعت میں مقصود و مطلوب بات کے برعکس بالکل الٹ ہے۔ شریعت نے توسط کی راہ پر ڈالا ہے نہ کہ مطلق تخفیف پر اور اگر اتباع خواہش کا خلاف کرنا حرج کا باعث ہوتا تو مکلف سے ہر قسم کی پابندی اٹھ جاتی اس لیے کہ حرج ہے اور اس کی مرضی کے خلاف ہے۔ ایسے ہی شریعت نے تشدید مطلق پر چلنے کو بھی نہیں کہا لہذا توفیق خداوندی جس کے شامل حال ہو وہ اس مقام میں احتیاط سے کام لے کہ یہ پھسلنے کا مقام ہے باوجودیکہ بات واضح ہے۔

وقال الامام الشاطبیؒ ۔ المفتی البالغ ذروۃ الدرجة هو الذی یحمل الناس علی المعهود الوسط فیما یلیق بالجمهور فلا یذهب بهم مذهب الشدۃ ولا یمیل بهم الی طرف الانحلال والدلیل علی هذا انه الصراط المستقیم الذی جاءت به الشریعة ومقصد الشارع من المکلف الحمل علی التوسط من غیر افراط ولا تفریط ..... فلذلك کان ماخرج عن المذهب الوسط مذموما عند العلماء الراسخین وایضا فان هذا المذهب کان المفهوم من شان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واصحابه الاکرمین ۔ وقد رد علیه السلام التبتل وقال لمعاذ لما اطال بالناس الصلاۃ: افتّان انت یا معاذ ؛ وقال : ان منکم منفرین : وقال: ان منکم منفرین ۔ وقال : علیکم من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا ۔ وقال احب العمل الی اللہ مادام علیه صاحبه وان قلّ ۔ ورد علیهم الوصال ۔ وکثیر من هذا۔ فان الخروج الی الاطراف خارج عن العدل ولا تقوم به

مصلحة الخلق اما فى طرف التشديد فانه مهلكة واما
فى طرف الانحلال فكذلك ايضاً لان المستفتى اذا ذهب به
مذهب العنت والحرج بغض اليه الدين وادى الى الانقطاع
عن سلوك طريق الآخرة . وهو مشاهد واما اذا ذهب به
مذهب الانحلال كان مظنة للمشى مع الهوى والشهوة
والشرع انما جاء بالنهى عن الهوى واتباع الهوى مهلك
والأدلة كثيرة - وربما فهم بعض الناس ان ترك الترخص
تشديد فلا يجعل بينهما وسطا وهذا غلط - والوسط هو
معظم الشريعة وام الكتاب ومن تأمل موارد الاحكام
بالاستقراء التام عرف ذلك واكثر من هذا من اهل الانتماء
الى العلم بحيث يتحرى الفتوىٰ بالقول الذى يوافق هوى
المستفتى بناءً منه على أن الفتوى بالقول المخالف لهواه
تشديد عليه وحرج فى حقه وان الخلاف انما كان رحمة
لهذا المعنى وليس بين التشديد والتخفيف واسطة
وهذا قلب لمعنى المقصود فى الشريعة وان الشريعة حمل
على التوسط لا على مطلق التخفيف والالزم ارتفاع مطلق
التكليف من حيث هو حرج ومخالف للهوى ولا على مطلق
التشديد فليأخذ الموفق فى هذا الموضع حذره فانه
منزلة على وضوح الامر فيه انتهى[1]

---

[1] موافقات جزء ٣ -

جامع فتاویٰ

اب ہم دو ایسے جامع فتاویٰ ذکر کرتے ہیں جو کتاب وسنتہ۔ فقہ اور اجتہاد پر مبنی ہیں تشدد اور تساہل سے دور۔ امت کے حق میں نافع اور مفید ہیں۔

بقاء عظمت بیت اللہ کے لیے امام مالک کا زبردست فتویٰ

تاریخ تعمیر کعبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ذکر یوں آیا ہے کہ انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر جدید کی اور اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر استوار کیا۔ حطیم کے حصہ کو بیت اللہ میں شامل کیا۔ شرقی دروازے کے بالمقابل غربی دروازہ نکالا۔ دروازے کی بلند سطح کو صحن کے برابر کر دیا۔ تاکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف اور مشہور ارشاد کی تعمیل کی جاسکے۔ جس میں آپ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔

لولا ان قومك حديث عهد هم لنقضت الكعبة۔ فجعلت لها بابين بابا يدخل الناس منه وبابا يخرجون منه[1]

یعنی اگر تیری قوم کا اسلام میں آتے ہوئے تھوڑا عرصہ نہ ہوا ہوتا تو میں موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بنا ابراہیمی کے مطابق بنا دیتا اس کے دو دروازے بنا دیتا ایک دروازہ جس میں لوگ داخل ہوں اور دوسرا دروازہ جس سے لوگ باہر نکلیں۔

حجاز کے گورنر حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کر کے ان کو شہید کیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بنا کو منہدم کر دیا۔

مورخین نے صرف اسی قدر لکھا اس سے آگے لکھنے کی زحمت گوارا نہ کی حالانکہ اس کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو تاریخ کعبہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ

---

[1] بخاری کتاب العلم ج ۱ ص ۲۴

ہارون الرشید عباسیؒ بادشاہ نے چاہا کہ بیت اللہ کو از سرِ نو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بنا دیں حضرت امام مالکؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا آئندہ آنے والے بادشاہوں کے لیے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنا دے گا۔ ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لیے یہی کام کرے گا۔ اس لیے اب جس حالت میں بھی ہے اسی حالت میں چھوڑ دینا مناسب ہے۔ تمام امت نے اس کو قبول کیا اسی وجہ سے آج تک وہی حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر باقی ہے۔

امام مالکؒ کا یہ فتویٰ تاریخ کعبہ میں بہت بڑا انقلابی فتویٰ تھا۔ جس نے بیت اللہ شکست و ریخت اور نئی تعمیر کی تاریخ کا ہمیشہ کے لیے انسداد کر دیا۔ خدا کے گھر کو دلچسپ داستانوں کا موضوع نہیں بننے دیا فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔

قاضی مسروق تابعیؒ کا ایک عظیم فتویٰ

ایک شخص دشمن کی قید میں تھا۔ تو اس نے کہا یا اللہ اگر تو نے مجھے دشمن کے ہاتھوں سخت اذیت ناک اور ذلت کی موت سے بچا لیا تو میں بخوشی اپنے نفس کو تیرے لیے میں آپ ذبح کروں گا۔

محمد بن المنتشر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ اسے دشمن سے نجات دیگا تو وہ اپنے نفس کو ذبح کرے گا۔ اس نے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا۔ انہوں نے مسروق کا حوالہ دیا اور کہا اس سے پوچھ کر مجھے مطلع کرنا اس نے مسروق سے پوچھا تو اس نے کہا۔

لا تنحر نفسك فانك ان كنت مومنا قتلت نفسا مومنة وان كنت كافرا تعجلت الى النار واشتر كبشا فاذبحه للمساكين فان اسحٰق خير منك وفدى بكبش فاخبر ابن عباس فقال هكذا كنت اردت ان افتيك ۔ رواه رزين [1]

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۹

ترجمہ: اپنے نفس کو ذبح مت کرو اگر تو تو مومن ہے۔ تو تونے مومن جان کو قتل کیا اور اگر کافر ہے تو تو نے آگ میں جانے کی طرف عجلت سے کام لیا ہے۔ ایک چھترا خرید کر کے مساکین کے لیے ذبح کر دو اسحاق علیہ السّلام تجھ سے کہیں بہتر تھے چھترے اسکا فدیہ دیا گیا۔ اس شخص نے ابن عباسؓ کو اس سے مطلع کیا۔ تو آپ نے فرمایا میرا ارادہ بھی یہی تھا کہ میں تجھے اس طرح فتویٰ دوں۔

غور فرمائیے کہ اس فتویٰ میں کس قدر جامعیت پائی گئی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱: اپنے نفس کو ذبح کرنے سے قرآن میں نہی آئی ہے۔ لا تقتلوا انفسکم [۱] (اپنے نفوس کو قتل نہ کرو)

پھر قتل مومن تو اور زیادہ قبیح باعث خلود فی النار ہے۔ کوئی شخص اپنی جان کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کی جان مملوک خداوندی ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو وہ خدائے ذوالجلال کے ملک میں تصرف کرے گا۔ اس کی اس سے بازپرس ہوگی۔

۲: ۔ اسحاق علیہ السلام تجھ سے کہیں بہتر تھے ان کا فدیہ ایک عظیم ذبح یعنی جنتی مینڈھے سے ادا کیا گیا۔ اس کلام میں تفقہ اور اجتہاد کا عنصر غالب ہے۔

کہ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے اور پھر ذبیح خود پیغمبر اور پیغمبر زادے تھے۔ ان کی نذر اگر اس طریقہ سے ادا ہوگئی ہے تو کیا اپنی طرف سے ایک غیر ضروری چیز کو ضروری قرار دینے سے تیرے بدلے میں کی قربانی نہیں کی جا سکتی فتویٰ میں چھترے کی قربانی کا حکم سورۃ صافات کی آیت سے لیا ہے۔ یعنی آیت وفدیناہ بذبح عظیم۔

۳: ۔ اس فتویٰ میں رفق و اعتدال صاف دکھائی دے رہا ہے۔ تشدد اور تساہل نام کو نہیں ہے۔

---

[۱] سورۃ نساء رکوع

تشدد ہوتا تو فرماتے اپنے آپ کو ذبح کرنے سے چارہ نہیں ہے بعینہ نذر پوری کرو

تشدد کی ایک مثال علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے۔ کہ ایک غلام نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے کہا کہ میں بچپن میں اپنے آقا سے بھاگ آیا تھا۔ اب بھول گیا ہوں کہ وہ کون تھے اور کہاں تھے۔ میں نے ایک عالم سے دریافت کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ تم خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کرلو۔ تم کوئی کام نہیں کرسکتے اس پر شیخ ہنس پڑے۔

اور فرمایا واللہ یہ تو تبطل ہے۔

اور اگر تساہل ہوتا تو فرماتے بس استغفار کافی ہے۔ قتل نفس ممنوع اور شرعاً بمنزلہ غیر مقدور کے ہے۔ سرے سے نذر کا انعقاد ہی نہیں ہوا۔

۴: مسئلہ کی بنا دو احتمالی صورتوں پر رکھی ہے کہ تو عنداللہ مومن ہے یا کافر ہے۔ تاکہ مسئلہ کی ہر شق زیر بحث آجائے اور اس میں کسی قسم کا خفا باقی نہ رہے کہ شاید یہ صرف ایک شق کا جواب ہے۔ دوسری شق کا معلوم نہیں کہ کونسا جواب ہوگا۔

۵: حدیث مذکور میں کتنا ہی تفضل اور اعزاز سمجھ میں آتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسی شخصیت اپنے سے کم درجہ عالم کا حوالہ دے اور پھر اس کے فتویٰ کی تصدیق کرے؛ وغیر ذلك غرضیکہ یہی فتویٰ میں نہ تساہل اور تشدد۔ اور نہ عجلت اور خود پسندی بلکہ کتاب وسنۃ تفقہ اور اجتہاد پر مبنی جملہ اصول اور اوصاف پر مشتمل ہے۔

نوٹ: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ذبح کے بارے میں فرماتے ہیں "وقول مشہور آنست کہ اسماعیل است علیہ السلام"[1]

اصل ہشتم ــــ افتا میں زمانہ کی عرف و عادت کا عمل

زمانۂ حال کی عرف وعادت اور اس کی راہ ورسم سے واقفیت بھی افتار کا ضابطہ ہے معاملات کے شعبہ میں ترقی کا جو رفتار جاری ہے۔ مفتی اس سے بے خبر نہ ہو۔

---

[1] اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۲۲۳

تدریجی ترقی کی ارتقائی منازل سے واقف ہو۔ آپ کی شمائل میں یہ جملہ نمایاں طور پر مذکور ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عما فی الناس۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مشاغل احوال کے بارے دریافت کیا کرتے تھے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ عقود رسم المفتی میں لکھتے ہیں۔

العمل بالعرف مالم یخالف الشریعۃ کالمکس والربا ونحو ذلک فلا بد للمفتی والقاضی بل المجتہدین معرفۃ احوال الناس وقد قالوا ومن جہل باہل زمانہ فھو جاھل وقدمنا انہم قالوا یفتی بقول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء لکونہ جرب الوقائع وعرف احوال النّاس [1]

ترجمہ: عرف پر عمل کرنا لازم ہے جبکہ وہ شرع کے مخالف نہ ہو ظلم جیسے ظالمانہ ٹیکس اور ربا وغیرہ۔

مفتی یا قاضی بلکہ مجتہد کے لیے لوگوں کے حالات کو سمجھنا ضروری ہے فقہاء نے کہا ہے۔ جو اپنے اہل زمانہ کے حالات سے نا واقف ہے۔ وہ جاہل ہے۔

ہم لکھ آئے ہیں کہ مفتی قضا سے متعلق امور کے امام ابویوسف کے قول پر فتویٰ دے۔ اس لیے کہ انہوں نے واقعات کو خوب جانچا اور لوگوں کے احوال کو پہچانا۔

اکثر و بیشتر معاملات عرف و عادت پر مبنی ہوتے ہیں۔ براہ راست شرع ان سے تعرض نہیں کرتی بلکہ فریقین کو اس کی پابندی کا حکم دیتی ہے۔

وقد صرح فی شرح السیر الکبیر بان الثابت بالعرف کالثابت بالنص وھو قریب من قول الفقہاء المعروف کالمشروط فما ثبت بالعرف فکان قائلہ نص

---

[1] عقود رسم المفتی ص ۳۶

علیه فلیعمل به لہ (عقود رسم المفتی ص۴۳)

ترجمہ: سیر کبیر میں تصریح کی ہے۔ کہ جو بات عرف سے ثابت ہے وہ ایسے ہے۔ گویا نص سے ثابت ہے۔ یہ ضابطہ فقہاء کے قول کی ترجمانی کرتا ہے کہ۔ معروف ایسے ہے جیسے مشروط۔ لہذا جو بات عرف سے ثابت ہے۔ گویا اس کے قائل نے شروع میں اس پر نص کر دی ہے لہذا وہ قابل عمل ہو جاتا ہے۔

۲:- قاعدہ یہ ہے۔ کہ اگر مفتی کو واقعہ کا علم ہو تو وہ بصورت مستفتی کی غلط بیانی کے امر واقعہ سے صرف نظر کر کے صرف صورت مسئولہ کا جواب نہ لکھے بلکہ مزید اس کی دوسری شق کا جواب بھی لکھے اور اگر اس طرح جواب لکھنے میں مضرت کا اندیشہ ہو تو بطور نوٹ کے یہ لکھ دے۔ کہ

۳:- افتاء کے لیے یہ ضروری ہے کہ مفتی کو اس امر کے متحقق الوقوع ہونے کا ظن غالب ہو اور فرضی صورت کے جواب دینے میں اس کو کسی مضرت کا اندیشہ نہ ہو اور صورت مسئولہ اس کے خلاف ہے۔ لہذا اس کا جواب ضروری نہیں ہے۔

جواب کے ہر ہر نقطہ پر غور کیا جائے کہ معاشرہ پر اس کے مثبت اور منفی کون سے اثرات پڑیں گے۔ کیونکہ ایک ہی مفید نقطہ سے عالم کی اصلاح اور اس کی ایک ہی جنبش قلم سے پورے عالم میں فساد رونما ہو سکتا ہے۔

تعبیر ایسی اختیار کرے جو معنی خیز عام فہم اور شک و شبہ سے خالی ہو مستفتی کے لیے اطمینان کا باعث ہو۔ عامۃ الناس کے لیے سہل اور آسان ہو اور خواص کی نظر میں۔ بھی سطحی اور ساقط الاعتبار نہ ہو۔

۴:- عرف و عادت کی وجہ سے چند مخصوص منصوص مسائل میں امام صاحب کا خلاف ہر مفتی کی بساط میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی کچھ اوصاف ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ کے الفاظ میں سنئے۔

ان المتاخرین خالفوا المنصوص فی المسائل المادة لم یخالفوه الا لحدوث عرف بعده من الامام فللمفتی

اتباع عرفه الحادث فی الالفاظ العرفیّة وکذافی الاحکام التی بناھا المجتھد علی ما کان فی عرف زمانه و تغییه عرفه الی عرف اٰخر اقتداء بھم لکن بعد أن یکون المفتی ممن له رای ونظر صحیح ومعرفة بقواعد الشرع حتی یمیز بین العرف الذی یجوز بناء الاحکام علیه[۱]

ترجمہ: متاخرین نے امام صاحب کا خلاف اس لیے کیا ہے۔ کہ امام کے زمانہ کے بعد نیا عرف ظاہر ہوا ہے۔ لہذا مفتی کو عرفی الفاظ میں نئے عرف کا اتباع کرنا چاہیے اس طرح ان احکام جن کا مدار مجتہد نے عرف رکھا ہے اور اب وہ عرف بدل گیا ہے لیکن شرط یہ ہے۔ کہ مفتی صاحب رائے اور نظر و فکر کا مالک ہو۔ قواعد شرعیہ کی معرفت رکھتا ہو حتیٰ کہ اس عرف کا امتیاز کرسکتا ہو جو مدار احکام ہو۔

۵:۔ فتویٰ میں عامۃ الناس کی فہم و فراست مدنظر رہے کہیں اس کا فتویٰ اہل اسلام میں فتنہ اور نزاع کا باعث نہ ہو۔ فتویٰ کا اصل مقصود پیش نظر رہے کہ لوگ فسق و فجور اور معصیت چھوڑ دیں سچے مؤمن اور مخلص بنیں۔ کفر و الحاد۔ زندقہ اور بدعت کو ترک کرکے صراط مستقیم پر چل پڑیں اور سنت رسول اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں۔ نہ کہ اس کے برعکس تکذیب پر اتر آئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے۔

حدثوا الناس بما یعرفون أتحبون ان یکذب الله ورسوله[۲]

ترجمہ: لوگوں سے ان کی حیثیت فہم و فراست کے مطابق بات کرو۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے۔

ثمرہ نمبر ا علامہ شامیؒ نے ایک واقعہ لکھا کہ مجھ سے سنہ تاسیوں دمشق میں جو مسجد ویران

---

۱ عقود رسم المفتی ص ۴۵

۲ بخاری کتاب العلم صہ ۲۴

ہوگئی تھی اس کے متعلق سوال ہوا کہ امیر کا ارادہ ہے ۔ اس کا ملبہ پتھر وغیرہ منتقل کر کے جامع اموی پر لگا دے فرماتے ہیں ۔

فأفتيت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالی ثم بلغنی أن بعض المتغلبين اخذ تلك الاحجار لنفسه فندمت على ما افتيت ۔

ترجمہ: میں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا شرنبلالی کی متابعت پر پھر مجھے خبر ملی کہ بعض منہ زور لوگوں نے یہ ملبہ اپنے لیے اٹھا لیا ۔ تو میں نے اپنے فتویٰ پر افسوس کیا ۔

اب میں نے ذخیرہ میں دیکھا اس میں فتاویٰ نسفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ الاسلام سے پوچھا گیا ۔ کہ ایک بستی کے لوگ وہاں سے نقل مکانی کر گئے اور مسجد ویران ہو گئی ۔ کچھ مطلب پرست زبردست قسم کے لوگوں نے ملبہ پر قبضہ کر لیا اور گھروں کو لے آئے کیا ان حالات میں اہل محلہ حاکم کی اجازت سے اس ملبہ کو فروخت کر سکتے ہیں اور اسکی قیمت اس مسجد پر یا دوسری مساجد پر صرف کرنے کے مجاز ہیں ۔ جواب دیا کہ مجاز ہیں اور یہ بھی بتلایا کہ مہمان سراہ کا حکم بھی یہی ہے ۔ ایک مہمان سرای کا ملبہ دوسری مہمان سرا پر لگایا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ دونوں کی غرض ایک ہے ۔ کہ مسافروں کو آرام ملے[۱] شامی باب القسامہ میں لکھا ہے ۔

ثمرہ نمبر۲ مقتول کا وارث غیر محلہ کے ایک شخص پر قتل کا دعویٰ کرے اور غیر محلہ کے دو شخص اس پر گواہ بھی ہوں ۔ لم تقبل عنده امام صاحب کے نزدیک یہ شہادت قابل قبول نہیں ہے ۔ وقالا تقبل صاحبین کے نزدیک مقبول ہے ۔

سید حموی نے علامہ مقدسی سے نقل کیا ۔ میں نے امام کے فتویٰ میں توقف کیا اور اس کی اشاعت سے روک دیا ۔ کیونکہ ہمیں عام ضرر کا اندیشہ ہے ۔ سرغنہ لوگوں میں سے جسے بھی یہ بات معلوم ہو گی ۔ وہ خالی محلات میں قتل کرنے پر جسارت کرے گا ۔ اس لیے کہ اس میں ان کے خلاف گواہی قابل قبول نہیں ہو گی[۲]

---

[۱] شامی ج ۳ ص ۵۱۴

[۲] عقود رسم المفتی ص ۴۶

ثمرہ نمبر ۳ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں ۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ کاشتکار جب ادنیٰ جنس کاشت کرے اسے اعلیٰ جنس کاشت کرنے کی قدرت بھی حاصل ہو تو اس پر اعلیٰ کی پیداوار لازم ہے ۔

وھذا یعلم ولا یفتی بہ لکیلا یتجری الظلمۃ علی اخذ اموال الناس ۔

ترجمہ: علم حد تک اس پر اکتفا کیا جائے اور اس پر فتویٰ نہ دیا جائے تاکہ (ظالم) سرمایہ دار طبقہ عامۃ الناس کے اموال پر بزور جری نہ ہو ۔

عنایہ میں اسے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اخفار کیسے جائز ہوگا ۔ ان کا تاوان وصول کرنا بر محل ہے ۔ کیونکہ حق ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے ۔

لوا فتینا بذلک لا دعی کل ظالم فی ارض لیس شانہا ذلک انہا قبل ھذا کانت تذرع الزعفران مثلا فیاخذ خراج ذلک وھو ظلم وعدوان انتھی ۔

ترجمہ: اگر ہم اس پر فتویٰ دے دیں تو ہر ظالم کے لیے جس کی زمین اس قابل نہیں ہوگی دعویٰ کا جواز پیدا ہوگا کہ اس سے پہلے اس زمین پر مثلاً زعفران کاشت کیا جاسکتا تھا ۔ وہ زعفران کی پیداوار وصول کرے گا یہ ظلم اور زیادتی ہے ۔ فقط

وکذا قال فی فتح القدیر قالوا لا یفتی بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علی احوال المسلمین اذ یدعی کل ظالم أن الارض تصلح لزراعۃ الزعفران ونحوہ وعلاجہ صعب انتھی ۔

ترجمہ: فتح القدیر میں بھی اس طرح کہا ہے اس پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس میں ظالم لوگوں کو مسلمانوں کے اموال پر متسلط کرنے کی راہ پائی جاتی ہے ۔ وہ اس کا مدعی ہوگا کہ اس کی زمین زعفران وغیرہ کاشت کے قابل تھی ۔ اور اس کا تدارک مشکل ہے ۔

اس کی جملہ تفصیلات کے بارے میں علامہ شامیؒ بطور نتیجہ کے لکھتے ہیں۔

فقد ظهر لك ان جمود المفتي او القاضي على ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة والجهل باحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة وظلم خلق كثيرين [1]

ترجمہ: اس سے ثابت ہوگیا کہ عرف اور واضح قرائن کو ترک کرنا اور لوگوں کو احوال سے ناواقفیت کی وجہ سے مفتی یا قاضی کا ظاہر منقول پر جمود اس سے حقوق کی تضییع اور بہت سی مخلوق پر ظلم لازم آتا ہے۔

افتاء کے عملی اوصاف

ابھی تک مفتی کی علمی استعداد اور فنی صلاحیتوں کا بیان ہوا۔ اب چند عملی اوصاف کا بھی ذکر ہو جائے۔ تاکہ اس موضوع کی کسی حد تک تکمیل کی جاسکے۔

عملی وصف نمبر ا اصل اہم خشیت خداوندی تقویٰ اور عدل و انصاف

ا:۔ جو اوصاف ایک عالم ربانی میں ہونے چاہئیں وہ جملہ مفتی کے لیے ضروری ہیں اللہ تعالیٰ نے حاملین توراۃ انبیاء۔ ربانیین اور احبار کی ذمہ داریوں کا یوں ذکر کیا ہے۔

بما استحفظوا من كتاب الله وكانوا عليه شهداء۔
فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا باياتي ثمنا قليلا۔

ترجمہ: ان سے اللہ کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا اور وہ اس پر نگران ٹھہرائے گئے۔ (اس لیے ان سے کہا گیا) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور میری آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول نہ کرو۔

اللہ کی راہ میں تکالیف اور مشقت برداشت کرنے کا عادی ہو۔ حب جاہ ومال

---

[1] عقود رسم المفتی ص۴۷

سے بیزار ہو اور ہوس اقتدار سے پاک وصاف دل کا مالک ہو۔ خود دار۔ جری۔ فیاض۔ بُردبار۔
خلق خدا پر رحیم ہو چشم پوش راز کی باتوں کا امین۔ عفو و درگذر کا عادی ہو۔
خدا پرست ہو۔ لومۃ لائم کی ہرگز پرواہ نہ کرے۔ مفتی اور قاضی اگر ملامت کی فکر
میں ہو تو افتاء وقضا کا مسئلہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔

۲:۔ ایک عالم جسے پیغمبر کی نیابت کا شرف حاصل ہے اسے اپنے مورث کے اسوہ حسنہ
کو اپنانا چاہیے۔ ہر پیغمبر نے اپنی امت پر واضح کر دیا تھا۔

وما اسألکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین[۱]

ترجمہ: میں تم سے اس پر اجر طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔

امام شمس الائمہ السرخسیؒ فرماتے ہیں۔

وعلی ھذا قالوا الفقیہ الذی یفتی فی بلدہ او قریتہ لا یحل
لہ ان یاخذ علی الفتیا شیئاً عن شرط فان عرفوا حاجتہ
نا ھدوا الیہ فھو حسن لانہ محسن الیھم فی تفریغ نفسہ
عن الکسب وحراستہ امر دینھم فینبغی ان یقابلوا احسانہ
بالاحسان الیہ[۲]

ترجمہ: اسی نیابت کی بنا پر علماء نے کہا ہے کہ ایک فقیہ جو شہر یا قصبہ میں فتویٰ دیتا
ہے۔ اس کے لیے بطور شرط جائز نہیں ہے کہ وہ فتویٰ پر اجرت کا مستحق ہو۔
البتہ اگر لوگ از خود اس کی حاجت معلوم کر کے بطور ہدیہ خدمت کر دیں تو یہ بہتر
ہے۔ اس لیے کہ کاروبار سے اپنے آپ کو فارغ کرنے میں اور دین کے
معاملہ میں نگہبانی کے سلسلے میں وہ ان کا محسن ہے۔ لہٰذا اس کے احسان کا
احسان سے معاوضہ دینا ان کے مناسب حال ہے۔

---

[۱] سورۃ الشعراء
[۲] المبسوط ج ۱ صفہ ۱۴۰

۳: ۔ خدا پرست ہو ۔ غلطی پر مطلع ہو جانے کے بعد حق کے تسلیم کرنے اور برملا اپنے فتویٰ سے رجوع کرنے میں عار محسوس نہ کرے ۔

امام شمس الائمہ السرخسیؒ نے امام محمدؒ کے کلام میں اور اس کی شرح کے ضمن میں حق کی طرف رجوع کے باب میں جو بلیغ نصائح کی ہیں ان کا ترجمہ اور بعض عبارات یہاں نقل کردینا مناسب ہوگا ۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ۔

"اپنے دل میں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی حاصل ہو جانے کے بعد غلطی پر مطلع ہو کر زمانہ سابق میں کئے گئے فیصلے مراجعت حق سے مانع نہیں ہونے چاہییں ۔ حق کو ثبات اور بقا رہے مراجعت حق ۔ باطل میں غرور و سرکشی کی طویل زندگی سے کہیں بہتر ہے ۔"

امام محمدؒ کے اس قول میں دلیل ہے کہ جب قاضی اپنے فیصلہ خطا کی اطلاع ہو کہ اس کا فیصلہ نص کے یا اجماع کے خلاف ہے ۔ تو اس کو توڑ دینا چاہیے ۔ لوگوں کی احیا راس سے مانع نہیں ہونی چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ کی حاضری کا دھیان اس کے حق میں بہتر ہے ..... جو شخص اس میں مبتلا ہو وہ مراقبہ خداوندی کا لحاظ رکھے ۔ یہ قاضی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جو شخص امور دینیہ میں سے کسی ایک امر کی تقریر و توضیح سے متعلق ہے ۔ واعظ مفتی قاضی اس میں برابر ہیں ۔

واذا تبین لہ انہ زل فلیظھر رجوعہ عن ذلک فزلۃ العالم سبب لفتنۃ الناس کما قیل ان زل العالم زل بزلتہ العالم [1]

ترجمہ: جب واضح ہو جائے کہ اس کا قدم حق بات سے پھسل گیا ہے ۔ تو اپنے رجوع کا برملا اظہار کرے ایک عالم کے قدم کا ڈگمگا جانا تمام انسانوں کے فتنہ کا موجب ہے ۔ یہ مثل مشہور ہے اگر عالم بمعنی عالم دین پھسل جائے ۔ تو اس کے پھسلنے سے عالم بمعنی جہان پھسل جاتا ہے ۔

---

[1] المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۶۲

۲:۔ ماحول کی پابندیوں اور طبقاتی گروہ بندیوں سے اس کا دل و دماغ آزاد ہو فتویٰ میں وہ اپنے آپ کو آزاد خیال کرے۔ کسی طبقہ یا بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہو۔ حکومت یا کسی جماعت کی طرف سے وضع کردہ پالیسی کا پابند نہ ہو۔ اس کی حیات کا ہر ہر لمحہ حر اور بے شخص کی زندگی کا آئینہ دار ہو۔

بیدار مغز ہشیار ہو کسی کے داؤ و فریب میں نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے۔

واحذرهم ان يفتنوك عن بعض ما انزل الله اليك [1]

ترجمہ: ان سے ہشیار ہو کر رہو کہیں یہ تجھے بعض ما انزل اللہ سے نہ پھسلا دیں۔

نوٹ: یہاں ما انزل کے ساتھ بعض کی قید لگائی ہے۔ یہ خاص طور پر قابل غور بات ہے۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ دشمن ایسے انداز میں فتنہ انگیزی کرتا ہے۔ پتہ نہیں چلنے دیتا کہ وہ دشمنی کر رہا ہے۔ بلکہ وہ یہ باور کراتا ہے۔ آپ کی جملہ باتیں قابل تسلیم ہیں صرف ایک دو باتوں پر آپ نظر ثانی کرلیں۔ اس طرح ان کے فریب میں آنے کا خطرہ تھا جس سے آپ کو ان سے پرخدر رہنے کا حکم دیا گیا۔

دوسرے یہ کہ بعض ما انزل اللہ سے مراد وہ اہم اور امتیازی مسائل ہیں جو مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ توحید و رسالت اور معاد یا وہ احکام اور حدود جن میں ان کے مطالب پر زد پڑتی تھی۔ القصہ دشمن کے پھسلانے کے انداز ایسے ہوتے ہیں کل ما انزل اللہ سے پھسلانا تو نری دشمنی تھی اور نہ ان کو اس میں کامیابی کی توقع تھی۔ یہ مشرکین مکہ کا مطالبہ تھا جو جاہل تھے۔ اور یہ اہل کتاب تھے جو دوسرے کو اپنی جانب میلان کرنے کی راہ و رسم سے واقف تھے۔

اعاذنا الله تعالیٰ من الميلان الى الفتنة والامالة۔

---

[1] سورۃ المائدہ

امام اعظم ابوحنیفہ کا قضا قبول نہ کرنا اور اس کی حکمت

امام صاحب بڑے عالی ہمت اور بلند نظر انسان تھے۔ پھر ایک عالم کے لیے پیشوا اور مقتدا ہونے کی حیثیت سے اگر یہ منصب پابند سلاسل ہو جائے تو آئندہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لیے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے آپ نے عہدہ قضا کو ٹھکرا کر دین متین کی لاج رکھ لی۔ اور آنے والے علماء امت کے لیے اسوۂ حسنہ قائم کیا۔ فتویٰ " جو حکم شرعی کے اظہار اور اعلام کا نام ہے "کسی بادشاہ اور حاکم کی پیشگی اجازت کا مرہون منت نہیں بنایا امام صاحب نے " خدا کی بات خدا کے لیے "کے زریں اصول کی بنیاد ڈالی تا آنکہ جاں جان آفریں کے سپرد کر دی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور جبر و تشدد کو لبیک کہا۔ لیکن اپنے منصب جلیل پر آنچ تک نہ آنے دی۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے آزاد اور بلند و بالا نظر طبقے نے امام صاحب کے ان آزادانہ نظری اور فکری احساسات کو خوشی سے قبول کیا اور اپنی زندگی کا راہنما اصول بنایا اور اسی پر جان کی بازی لگا دینے کو فخر محسوس کیا۔

فرضی اللہ عنہ ولمن اتبعہ من السابقین فی الخیرات باذن اللہ۔

اراد ابن ھبیرۃ ابا حنیفۃ علی قضاء الکوفۃ" فابی وامتنع فحلف ابن ھبیرۃ ان ھو لم یفعل لیضربنّہ بالسیاط علی رأسہ فقیل لابی حنیفۃ، فقال: ضربۃ لی فی الدنیا اسھل علی من مقامع الحدید فی الاخرۃ، واللہ لا فعلت ولو قتلنی؟ ....

ترجمہ: ابن ہبیرہ کوفے کے گورنر نے کوفے کی قضا کے بارے میں ابو حنیفہ سے کہا آپ نے انکار کیا اس پر ابن ہبیرہ نے قسم اٹھائی کہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ سر پر چابک لگائے گا۔ ابو حنیفہ سے کہا گیا تو آپ نے کہا" مجھ پر دنیوی

سزا آخرت کی نسبت آسان ہے"
خدا کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا اگرچہ وہ مجھے قتل ہی کر دے۔

وحلف له ان لم يل ليضربن على راسه حتى يموت، فقال له ابوحنيفة : هى موتة واحدة! فأدبه فضرب عشرين سوطا على راسه فقال ابوحنيفة اذكر مقامك بين يدى الله فانه اذل من مقامى يديك ولا تهددنى فانى اقول، لا اله الا الله، والله سائلك عنى حيث لا يقبل منك جوابا الا بالحق[1]

"ابن ہبیرہ نے حلف اٹھائی کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کرے گا تو وہ اس کے سر پر ضرب لگائے گا تا آنکہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ تو ابوحنیفہ نے کہا کہ (دنیا کی) یہ ایک موت ہے تو اس نے حکم دیا اور آپ کے سر پر بیس کوڑے مارے گئے تو ابوحنیفہ نے کہا کہ خدا کے حضور اپنی حاضری کا خیال کیجئے کہ وہ تیرے سامنے میری حاضری کی نسبت کہیں زیادہ رُسوا کن ہوگی اور مجھے زجر مت کرو۔ میں تو لا اله الا الله کہہ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ تجھ سے میرے بارے باز پرس فرمائے گا۔ جبکہ وہاں حق کے سوا اللہ تعالیٰ کوئی اور جواب قبول نہیں کریں گے"۔

تیسرا عملی وصف

اصل یازدہم ــ ممارست اور صاحب کمال سے استفادہ

۱:۔ لوگوں کے شرعی معاملات میں دلچسپی رکھتا ہو۔ طویل عرصہ تک ان میں بحث و تمحیص کے ذریعہ حاوی ہو چکا ہو۔

مفتی ہونے کی حیثیت سے حوادث اور نوازل کو شرعی نظائر اور شواہد کے تقابل سے

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۵۵

حل کر سکتا ہو ۔ زندگی میں لبا اوقات قابل توجہ اور اہم واقعات سے دوچار ہوا ہو۔
امام شمس الائمہ السرخسیؒ نے کتاب القاضی میں مجتہد کی تعریف پر قید بھی لگائی ہے کہ وہ کسی ایسے حادثہ سے بھی مبتلا ہوا ہو جس کا ذکر کتاب وسنت میں نہ ہو تو لامحالہ وہ نظر و فکر سے کام لے گا اور تمرین و مشق پیدا ہوگی۔

واقرب ما قیل فی حق المجتهد ان یکون قد حوی علم الکتاب و وجود معانیه وعلم السنة بطرقها ومتونها ووجوه معانیها وان یکون مصیبا فی القیاس عالما بعرف الناس ومع هذا قد ابتلی بحادثة لا یجد لها فی الکتاب والسنة ذکر فالمنصوص معدودة والحوادث ممدودة فعند ذلك لا یجد بُدا من التامل[1]

ترجمہ: مجتہد کی تعریف قرین قیاس یہ ہے ۔ کہ کتاب اللہ کے علم مع اقسام معانی اور سنتہ کا علم بمع اسناد ۔ متون اور اس کے اقسام معانی پر حاوی ہو ۔ وہ اپنے رائے میں مصیب ہو۔ لوگوں کی عرف و عادت کو خوب جانتا ہو۔ بایں ہمہ کسی حادثہ سے اس کو پالا پڑا ہو جن کا ذکر کتاب سنت میں نہیں آیا ۔ کیونکہ منصوص چند ایک ہیں اور حوادث بے شمار ہیں ۔

۲ : ۔ مشہور و معروف اصحاب فن مسلم شخصیات اور علماء ربانیین کی تربیت میں رہ کر تعلیم پائی ہو اور تفقہ حاصل کیا ہو۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقّهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون[2]

---

[1] المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۶۲

[2] سورۃ توبہ رکوع ص ۱۴

ترجمہ: مومن سارے کے سارے تو سفر نہیں کر سکتے تو ہر طبقہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں سفر کرتی تاکہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرائیں تاکہ وہ بچ جائیں۔

مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے اور نہ مصلحت ہے۔ کہ سب مسلمان ایک دم جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ مناسب یہ ہے۔ کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم میں سے ایک جماعت نکلے۔ باقی لوگ دوسری ضروریات میں مشغول ہوں۔ اب اگر نبی کریم صلعم بنفس نفیس جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں۔ تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادث اور واقعات میں سے گذر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آکر اپنی باقیماندہ قوم کو مزید علم اور تجربہ کی بنا پر بھلے برے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجیئے اگر حضورؐ خود مدینہ میں رونق افروز رہے۔ تو باقیماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سمجھیں گے اور مجاہدین کی غیبت میں جو وحی و معرفت کی باتیں سنیں گے ان سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کریں گے آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاد اسلامیہ کے جس خطۂ ارض میں رہائش پذیر ہوئے۔ وہاں انہوں نے اپنے تلامذہ علم و رشد کا جم غفیر تیار کیا جنہیں اصحاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

مثلاً فقہاء سبعہ مدینہ اصحاب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

مفسرین و محدثین اہل مکہ اصحاب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

فقہاء و علماء کوفہ اصحاب عبداللہ بن مسعود اصحاب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔

فقہاء شام اصحاب ابو الدرداء رضی اللہ عنہ - وغیرہ وغیرہ۔

تو یہ صرف فیضان صحبت کا اثر نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ کہ ان کے تلامذہ نے ان سے کسب کمال کیا۔

۳: - اہل علم سے مشورے اور استفادے کو کبھی نہ بھولے۔ ضرورت ہو تو سیف کی

اقتدا کرتے ہوئے نرم مزاجی اور انصاف کے ساتھ ان سے مباحثہ بھی کرے اس طرح کئی مخفی گوشے اجاگر ہوجاتے ہیں ۔ انسان کا اپنے علم پر استبداد ۔ خود پسندی اور ناز بہت بڑی جہالت ہے ۔

علامہ جمال الدین دمشقی کہتے ہیں

جب اظہار میں قباحت ہو یا مسائل اس کے کتمان پر راضی ہو یا اس کی اشاعت میں کسی خرابی کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اسے چھپانا چاہیے [1]

امام شمس الائمہ السرخسیؒ فرماتے ہیں ۔

جب تک بات واضح نہ ہو حکم میں جلدی نہ کرے تفکر سے کام لے اور اہل فقہ سے مشورہ کرے ۔ اس لیے کہ وہ حق پر فیصلہ کرنے کا پابند ہے ۔ نظر و فکر اور مشورے کے بغیر اس کی تلافی مشکل ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

التّأنی من الله والعجلة من الشیطان ۔

ترجمہ: وقار اور طمانیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔

اس کی اصل شعبی کی وہ حدیث ہے ۔ جس میں ہے ۔

کانت "القضیة ترفع الی عمر رضی الله عنه و ربما تیأمل فی ذلك شهر اویستشیرا صحابه والیوم یفعل فی المجلس مابه قفیة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک قضیہ آتا تھا ۔ اس پر غور و فکر کرنے میں ایک ماہ صرف ہوجاتا اور آپ اپنے رفقاء سے مشورہ کرتے رہتے لیکن آج یہ ہے کہ جو قضیہ پیش ہوتا ہے ۔ اسی مجلس میں اس کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے ۔

---

[1] الفتویٰ فی الاسلام صہ ۶۳

وحديث عبد الله بن مسعود رضي الله عنه - في المفوّضة معروف فانه ردهم شهرا ثم قال اقول فيه برأيي فان يك صوابا فمن الله ورسوله وان يك خطأ فمني ومن الشيطان -

ترجمہ: مفوضہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فیصلہ مشہور و معروف ہے - ایک ماہ آپ نے ان کو جواب نہ دیا اور واپس کرتے رہے۔ پھر فرمایا میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر جواب باصواب ہو تو اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو گا - اور اگر غلط ہو تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہو گا۔

اس سے ثابت ہوا جب معاملہ مشتبہ ہو تو قاضی کو چاہیے - سوچ بچار کے لیے مناسب تاخیر کرے اور مزید مشورہ کرے[1]

مشکل مسئلہ میں جواب لاادری

۱: - جو عقدہ مشکل ناقابل فہم ہو اور اس کی دسترس سے بلند و بالا ہو مشورے کے باوجود حل ہونے والا نہ ہو اس کے جواب میں لا ادری کو اختیار کرے لا ادری بھی علم ہے -

امام مالک سے ایک شخص نے مسئلہ دریافت کیا - مالک نے کہا لاأدری - اس نے کہا میں دور دراز شہروں سے مسافت طے کر کے یہاں آیا ہوں - آپ نے فرمایا - اپنے وطن کو لوٹ جاؤ اور وہاں کے لوگوں کو جا کر کہو - میں نے مالک سے پوچھا - اس نے کہا لاادری - میں نہیں جانتا[2]

ابن وہبؒ کہتے ہیں اگر میں امام مالکؒ کی لا ادری لکھا کرتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں - ایسی

---

[1] المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۸۴

[2] قالہ ابن الجوزی فی بعض کتبہ -

صورت میں دوسرے اہل علم کی طرف طالبین کی توجہ منعطف کرائے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱:- فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[1]

ترجمہ: اہل ذکر (اہل علم) سے دریافت کرو اگر تم نہیں جانتے۔

۲:- وفوق کل ذی علم علیم[2]

ترجمہ: اور ذی علم پر اسے بڑا عالم ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انما انزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضا فلا تکذبو بعضہ ببعض فما علمتم منہ فقولو وما جھلتم وکلوہ الی عالمہ[3] (رواہ احمد وابن ماجہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی کتاب بعض بعض کی تصدیق کرتی ہے تو تم بعض سے بعض کی تکذیب نہ کرو۔ جو بات تمہیں اسکی معلوم ہو کہو اور جو معلوم نہ ہو تو اسے اس کے عالم کے سپرد کرو۔

علماء سے مشورے اور استفادے کے سلسلہ میں ماضی کی ایک حکایت یاد آگئی یہ ۱۳۹۳ھ کی بات ہے، امید کہ ناظرین کے لیے اس کی نقل ذوق و شوق کا موجب ہوگی اور عملی طور پر بھی مفید ثابت ہوگی۔

حضرت استاذ مولانا مفتی محمد جمال صاحب مدظلہ العالی۔ سوکڑ۔ تونسہ شریف ڈیرہ غازیخاں کی طرف سے ایک عالمانہ سوال آیا۔ سوال معمولی نہ تھا۔ قاضی خاں جیسے فقیہ النفس شخص کی عبارت میں اشکال تھا۔ یہاں یہ واہم واہمہ نہیں تھا کہ عبارت تصحیح طلب ہے۔ بلکہ اپنی توجیہہ اور تاویل کے غلط ہونے کا اندیشہ قوی تھا۔ یہ عبارت علماء کے لیے معمہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

---

[1] سورۃ النحل رکوع ۵
[2] سورۃ یوسف رکوع ۸
[3] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۵

اس لیے راقم الحروف نے پاکستان کے مختلف مدارس کے اساتذہ وشیوخ سے رجوع کیا اکثر مقامات سے تو جواب کی پذیرائی نہیں ہوئی ۔ بڑے اصحاب میں سے حضرت الشیخ مولانا مفتی جمیل احمد صاحب خلّدظلالہ نے حوصلہ افزائی ہوئی اور بحمدللہ تعالیٰ تاحل عبارت آخر تک مراسلہ جاری رہا۔

اس مختصر مسودہ میں مراسلہ کے چند خدوخال دکھلائے گئے ہیں۔

عبارت یہ ہے ۔

والحراذا تزوج عشر نسوۃ علی التعاقب جازنکاح التاسعۃ والعاشرۃ لانہ لما تزوج الخامسۃ کان ذلک دلیلا علی فساد النکاح الاربع الاول قبلھا فلما تزوج التاسعۃ دل علی فساد النکاح الاربع قبلھا فیجوز التاسعۃ والعاشرۃ۔[له]

ترجمہ: یعنی جب ایک آزاد شخص دس عورتوں سے نکاح کرتا ہے ۔ تو نویں اور دسویں کا درست ہوگا ۔ کیونکہ جب پانچویں سے نکاح کیا ۔ تو یہ دلیل ہوگی کہ پہلی چار کا نکاح فاسد ہے اور جب نویں اور دسویں سے نکاح کیا تو دوسری چار کا نکاح فاسد ہے ۔ لہٰذا صرف صرف نویں اور دسویں کا نکاح جائز ہوگا ۔

اشکال یہ ہے ۔ کہ تعاقب کی صورت میں پہلی چار کا صحیح اور پانچویں کا نکاح باطل ہونا چاہیے ۔ نہ یہ کہ پہلی آٹھ کا صحیح اور نویں اور دسویں کا باطل ہونا چاہیے ۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۔ مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت غور کیا مگر عبارت حل نہیں ہوسکی اس کتاب کے اس مقام پر قلمی لم افھمہ لکھا ہوا ہے ۔خط میرا ہی ہے ۔ پہلے غور کا نتیجہ نہیں ۔

دو ایک توجیہ لکھ کر اس کی تغلیط کی ہے ۔ کہ یہ صحیح نہیں ۔

غالباً آپ نے کراچی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کو بھی لکھا ہوگا ۔ ٹنڈو اللہ یار مولانا

له قاضی خان نولکشور صـ ۱۶۷

مولانا ظفر احمد صاحب کو اگر کسی سے توجیہ ملے تو ایک کارڈ سے مطلع فرمائیں شکر گذار ہونگا۔
جمیل احمد عفی عنہ جامعہ اشرفیہ
مسلم ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بخدمت حضرت شیخ مدظلہ العالی
اسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

التاسانہ لمرمۃ الخزانہ میں مجموعۃ النوازل کی عبارت میں بغیر اذ نهن فبلغن واُجزن جمیعًا کی زیادتی موجود ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ کہ اگر وہ معا قبول کرلیں۔ تو پھر کافی حد تک اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

محمد علی عفی عنہ
۵ جمادی الاوّل ۹۳ھ

مبسملا و محمدلا ومصلیا ومسلما۔
مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،۔
بندہ نے جامعہ کے اساتذہ کو اس عبارت کے حل کے لیے کہا۔
حضرت مولانا صوفی غلام سرور دام مجدہ نے اس کی ایک توجیہ کی ہے وہ میں تحریر کئے دیتا ہوں۔

(عربی کی بہت طویل عبارت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ محمد علی عفی عنہ)
ایک شخص نے دس عورتوں سے ایک مجلس میں نکاح کیا۔ عورتوں نے معاً ایجاب کر لیا لیکن ابھی مرد کی طرف سے قبول نہیں پایا گیا۔ جب اس شخص نے پانچویں عورت کا پہلی چار کے تھا ایجاب کیا جو کہ حرام ہے۔ اس سے پہلی چار کا نکاح فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ ابھی پہلی چار عورتوں کے نکاح کو قبول نہیں کیا تھا کہ پانچویں کا ایجاب کر لیا اور ایجاب ایک ایسی چیز ہے۔ کہ بغیر قبول کے مجلس میں قابل رد ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیع کی حدیث میں ہے البیان بالخیار مالم یتفرقا۔

البتہ اگر پہلی چار کے ایجابات کو قبول لاحق ہوجاتا تو پھر پانچویں کا ایجاب باطل ہوجاتا۔
بخدمت حضرت الشیخ الاستاذ مولانا مفتی جمیل احمد صاحب مدظلہ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
خوش قسمتی سے اتفاقاً مجھے قاضی خان کے باب المحرمات کی یہی عبارت کچھ زیادتی کے ساتھ شرائط نکاح کے فصل میں مل گئی جو یوں ہے۔

وكذا الحر اذا تزوج عشر نسوة بغير اذنهن فى عقود متفرقة فبلغهن فأجزن جميعا جاز نكاح التاسعة والعاشرة لانه لما تزوج الخامسة كان ذلك فسخا لنكاح الاربع قبلها فاذا تزوج التاسعة كان ذلك فسخا لنكاح الاربع قبلها فيتوقف نكاح التاسعة والعاشرة على اجازتهما[له]

محمد علی عفی عنہ
نصرت العلوم گوجرانوالہ۔

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد کلام طویل،
آپ کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جمیعا کا لفظ اس کی صریح دلیل ہے۔ نسبتہ قاضیخان کی دوسری عبارت زیادہ صحیح ہے۔ اب آپ غور فرمائیں۔
جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور
۲۵/ ذی الحجہ ۹۴ھ

قاضی خان کی اس دوسری عبارت کا مفہوم یہ ہوگا۔
ایک شخص بالترتیب زینب۔ اسماء۔ ہند۔ عائشہ۔ حفصہ کے ایجاب کرتا ہے۔ کہ میں نے زینب کے ساتھ نکاح کیا۔ اسماء کے ساتھ نکاح کیا وغیرہ کیا۔
یہ سب ایجابات ہیں ایجاب بذاتہ لابشرط شیٔ کے درجہ میں ہوتے ہیں۔ وہ شطر یعنی نکاح کا جزء ہے قبول کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اب جب وہ عورتیں بیک وقت

له قاضی خان نولکشور ج ۱ ص ۱۵۷

قبول کریں گی اور قبول میں ترتیب کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ ان نکاحوں میں معارضہ پیدا ہوگا۔ ایجابی ترتیب کے مطابق قبول لاحق ہوگا۔ اور بالترتیب ہر ایک نکاح کو یکے بعد دیگرے بطور شرعی تصحیح کے تسلیم کرتے جائیں گے۔ جس کے نتیجہ میں پانچویں نکاح سے پہلے چار باطل اور نوویں نکاح سے دوسرے چار باطل ہو جائیں گے اور دو آخری معارضہ سے سالم رہ جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عیسیٰ عفی عنہ صدر شعبۂ افتاء
مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ۔
۳۰۔ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ